امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

جلد نمبر 64/74 | مورخہ ۱۷ ذی الحجہ ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۴ جون ۲۰۲۴ء روز سوموار | شمارہ نمبر 23

اس شمارہ میں

■ اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں
■ دینی مسائل، یادوں کے چراغ
■ کتابوں کی دنیا، حکایات اہل دل
■ رواداری کی تعلیمات
■ مسلم نوجوانوں کو دعوت اسلامی......
■ بھارت کی مٹی میں محبت ہے نفرت نہیں
■ مثبت سوچ کامیاب زندگی کی ضمانت
■ اخبار جہاں، ملی سرگرمیاں، ہفتہ رفتہ

بین السطور

متبادل ملازمت کی تلاش: اندیشے اور مضمرات

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

انسان جلد باز واقع ہوا ہے، اس میں استقلال کی کمی پائی جاتی ہے، وہ فیصلہ میں جلد بازی کرتا ہے یہ عجلت پسندی اسے کبھی کبھی پریشانیوں میں مبتلا کر دیتی ہے، قرآن کریم کی سورۃ اسراء آیت نمبر گیارہ میں انسان کی اس صفت کا ذکر موجود ہے، ارشاد ربانی ہے، وَكَانَ الْإِنسَانُ عَجُولًا. ایک دوسری آیت میں ہے کہ بے شک انسان بڑا بے صبرا اور حریص پیدا ہوا ہے، (سورۃ المعارج: ۱۹) بے صبری اور عجلت پسندی کے بہت سارے مظاہر انسانی زندگی میں دیکھنے کو ملتے ہیں، ان میں سے ایک زیادہ روپے اور سہولیات کے حصول کے لئے متبادل ملازمت کی تلاش ہے، رزق کی ایک جگہ اللہ نے مہیا کر رکھی ہے وہ اس پر قناعت نہیں کرتا، خوب سے خوب تر کی تلاش جاری رکھتا ہے اور لگی ہوئی ملازمت کو لات مار دیتا ہے، گو اپنا مستقبل بنانے کے لیے اس میں کوئی ایسی بُرائی نہیں ہے، لیکن جب تک متبادل نہیں مل جائے پرانی جگہ کو چھوڑنا نہیں چاہیے، لنک ڈین کے ذریعہ کیے گیے ایک سروے میں بتایا گیا ہے کہ امسال اٹھاسی (88) فی صد ملازمت سے لگے ہوئے لوگ اپنی نوکری بدلنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں، یہ اعداد و شمار گذشتہ سال کے اعداد و شمار سے چار فی صد زیادہ ہے، جب ان سے سروے میں یہ دریافت کیا گیا کہ دوسری ملازمت میں کیوں جانا چاہتے ہیں تو بیالیس (42) فی صد لوگوں نے اس کی وجہ بہتر ملازمت اور معیاری طرز زندگی کی تلاش کو قرار دیا، سینتیس (37) فیصد لوگ وہ تھے جو صرف تنخواہ میں اضافے کی غرض سے لگی ہوئی نوکری چھوڑنا چاہتے تھے، ہر دس میں آٹھ ایسے لوگ بھی تھے جن کا ماننا تھا کہ موجودہ مشغولیت کے علاوہ دوسری ملازمت میں وہ اپنا اچھا مستقبل تلاشنا چاہتے ہیں، ان کا خیال تھا کہ پیشہ بدل کر بھی اپنا مستقبل بنایا جا سکتا ہے۔

یہ معاملہ خواب وخیال کی طرح لگتا ہے، ہندوستان جیسے ملک میں جہاں بے روزگاری عام ہے، لگی ہوئی ملازمت کو چھوڑ کر دوسرا متبادل تلاش کر لینا آسان نہیں ہے، اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں میں یہ کبھی کبھی ممکن ہو جاتا ہے، لیکن اوسط تعلیم والے لوگ جن کے پاس کوئی ٹیکنیکل ہینڈ (ہنرمندی) بھی نہ ہو یہ جوکھم بھرا کام ہے، بلکہ ایک طرح چیلنج ہے، اس لیے متبادل ملازمت کی تلاش ضرور کرنی چاہیے، لیکن استعفیٰ دینے کے قبل ان امور کو بھی دھیان میں رکھنا چاہیے، جو آپ کی زندگی پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کی مالی حالت کیسی ہے، اور پہلی ملازمت چھوڑنے کے بعد دوسری ملازمت کے حصول کے امکانات کس قدر ہیں، اس حصول میں پہلی ملازمت چھوڑنے کے بعد کس قدر وقفہ درکار ہوگا، استعفیٰ دینے کے قبل اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ اگر ملازمت نہیں ملی تو آپ اپنی جمع شدہ رقومات سے کتنے دنوں تک بال بچوں کے اخراجات اٹھا سکیں گے، اس لیے کہ ضروری نہیں کہ ایک جگہ سے استعفیٰ دینے کے بعد دوسری جگہ ملازمت فوراً مل جائے، استعفیٰ سے پہلے یہ بھی سوچنا چاہیے کہ آپ کے صحت بیمہ، ریٹائر ہونے کے بعد کی سہولیات پروڈنٹ فنڈ، گریجوٹی اور ملازمت سے ملنے والی دیگر سہولیات اور مراعات پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔

جائزہ اس بات کا بھی لینا چاہیے کہ جس وقت استعفیٰ دے رہے ہیں، اس وقت ملازمتوں کے ملنے کے مواقع کس قدر ہیں، کبھی بہت ساری آسامیاں خالی ہوتی ہیں اور ان کے پُر کرنے کی ویکینسی نکلتی ہے، جیسے حال میں بہار میں اسکول اساتذہ کی بحالی بڑے پیمانے پر ہوئی اور دوسری مشغولیت سے جُوے بہت لوگوں نے متبادل ملازمت کو پا لیا اور اب وہ اسکول ٹیچر ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ برسوں ویکنسیاں نہیں آتیں اور بے روزگاروں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے، اگر جاب مارکیٹ میں کساد بازاری ہے تو آپ کو ویکینسی کا انتظار کرنا چاہیے اور فوراً استعفیٰ نہیں دینا چاہیے۔

سرکاری ملازمتوں میں خصوصاً تدریسی شعبے میں یہ سہولت ہے کہ کیریر بنانے کے لیے فرصت مل جاتی ہے، آپ اس کا استعمال غیر ملک جانے کے لیے بھی کر سکتے ہیں اور دوسری ملازمت میں جمنے کے لیے بھی، اس لیے کہ بسا اوقات دوسری ملازمت کے چکر میں آدمی محسوس کرتا ہے کہ وہ تاڑ سے گر کر کھجور میں اٹک گیا ہے، اگر آپ فرصت لے کر گیے تھے اور دوسرے کام سے آپ مطمئن نہیں ہیں تو آپ کے لیے واپسی کا دروازہ کھلا ہوا ہے، لوٹ آئیں، لیکن پرائیوٹ ملازمت میں عموماً ایسا نہیں ہوتا، سوائے اس صورت کے کہ آپ کمپنی کی ضرورت بن گیے تھے اور آپ کے وہاں سے منتقل ہونے سے کمپنی نقصان محسوس کرتی ہے، تب تو آپ کے لیے دوبارہ کی گنجائش نکل سکتی ہے، اور کمپنی ممکن ہے آپ کی تنخواہ میں اضافہ اور سہولیات بڑھا کر آپ کو پھر سے رکھ لے، لیکن عموماً ایسا نہیں ہوتا، ایسے میں پہلی ملازت چھوڑتے وقت اس بات کا بھی جائزہ لینا ضروری ہوگا کہ آپ کمپنی اور ادارے کی ضرورت بن چکے ہیں یا واپس آ کر آپ کو خود کے لیے ملازمت کی ضرورت ہے، ایجنسیاں کمپنیاں، کارخانے اور تنظیموں کا معاملہ الگ الگ حالات میں الگ الگ ہوتا ہے، کبھی ملازمت سے لوگ ریٹائر کر دیے جاتے ہیں اور کبھی ضرورت ہوتی ہے تو ریٹائروں کی بحالی ہو جاتی ہے، یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ جہاں کام کر رہے ہیں، وہاں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا ہے یا نہیں، دوسرے الفاظ میں یہ بات بہت اہم ہے کہ آپ ادارہ کی ضرورت ہیں یا آپ کو ملازمت کے لیے ادارہ کی ضرورت ہے، یقینی طور پر الگ الگ حالات میں فیصلے بھی الگ الگ ہو سکتے ہیں، اس صورت حال کو سامنے رکھے بغیر آپ نے استعفیٰ دینے میں جلد بازی کی تو اس کا خمیازہ آپ کو بھگتنا پڑے گا، اور ہو سکتا ہے کہ اچھے مستقبل کی تلاش میں آپ کی موجودہ حالت اور حیثیت بھی باقی نہ رہے۔

دوسری ملازمت کے لیے استعفیٰ دیتے وقت اپنی عمر، صحت وقوت کا بھی جائزہ لینا چاہیے کہ کہیں بڑھتی عمر کے سایے دوسری ملازمت کے حصول میں رکاوٹ تو نہیں بنیں گے، ہر جگہ جب ویکنسی ہوتی ہے تو اس میں عمر کی قید درج ہوتی ہے، جائزہ اس بات کا بھی لینا چاہیے کہ ملازمت کی عمر کہیں نکل تو نہیں گئی ہے، یا قُویٰ اس قدر مضمحل تو نہیں ہو گیے ہیں کہ کام کرنے میں دشواری ہو سکتی ہے، اس شکل میں جہاں آپ ملازم ہیں لگے رہنا چاہیے، اس لیے کہ جہاں آپ ہیں وہاں آپ کی قدر سابقہ خدمات کی وجہ سے ہے، اس معاملہ میں استثنیٰ صرف تدریسی اور تنظیمی ذمہ داریوں کا ہے، پڑھانے میں جتنی عمر گذرتی ہے، اس سے علم میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور تدریسی تجربہ کی وجہ سے طلبہ میں مقبولیت بڑھتی رہتی ہے، اسی لیے کم از کم آزاد مدارس دینیہ میں ریٹائرمنٹ اور سبکدوشی کا کوئی قانون نہیں ہوا کرتا، بلکہ مثل مشہور ہے کہ ساٹھا تب پاٹھا، یعنی جب عمر ساٹھ کے قریب ہوتی ہے تب پڑھانے میں مزہ آتا ہے، یہی حال تنظیموں کا ہے یہاں بھی سبکدوشی کا کوئی معنی مطلب نہیں ہے، آدمی کام کرنیکے لائق نہیں رہا، تو اس شخص کا خود بخود ادارہ سے الگ ہو جانا یا ذمہ داروں کے ذریعہ الگ کر دیا جانا ایک فطری چیز ہے، لیکن اگر آدمی کام کی صلاحیت رکھتا ہے یا تھوڑی بہت صلاحیت کمزور ہو گئی ہے تو بھی اس کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیے، حضرت امیر شریعت سادس مولانا سید نظام الدین صاحب ؒ سے جب کسی مسئلہ پر ہم لوگ اختلاف کرتے تو فرماتے: مولوی صاحب آپ کا علم ہم سے زیادہ ہو سکتا ہے، لیکن مولوی صاحب تجربہ ہمارے ہی پاس ہے، میں طویل مدت سے امارت کے کاموں کو دیکھ رہا ہوں اور واقعتاً وہی صحیح ہوتا، جو حضرت کی رائے ہوا کرتی تھی، اس لیے کہ ان کی رائے تجربہ پر مبنی ہوا کرتی تھی، ہمہ گیر تعلیمی مہم، ہنر منصوبہ پر امارت شرعیہ نے کام کیا، وہ امارت شرعیہ کے بینر تلے ان دونوں کاموں کے ہمیشہ مخالف تھے، بڑے اصرار کے بعد اجازت انہوں نے دی تھی، وقت نے ثابت کر دیا کہ ان کا انکار درست تھا اور ہماری دلیلیں ان منصوبوں سے جڑنے کی چاہے جتنی مضبوط رہی ہوں، غلط تھیں، یہی وجہ ہے کہ جوانوں کو موقع دینے کے مطالبہ کے باوجود ملی تنظیموں اور مدارس میں مرنے سے پہلے انہیں ہٹایا نہیں جاتا، ان دو شعبوں کو چھوڑ کر بقیہ سب جگہ آپ کے کام کی صلاحیت دیکھی جاتی ہے، اس لیے اگر صلاحیت ہے اور بڑھتی عمر کے سایے نے آپ کی کارکردگی کو کمزور نہیں کیا ہے اور آپ اپنا کیریر کسی دوسری جگہ بنانا چاہتے ہیں تو ایسا کر سکتے ہیں، ورنہ جوکھم مت اٹھایئے، اس لیے کہ آپ بیروزگار ہو سکتے ہیں، اور مالی دشواریاں انسان کو کبھی کبھی کفر کے قریب پہونچا دیتی ہیں، عربی میں کہا جاتا ہے، **كاد الفقر ان يكون كفرا**. یہی وجہ ہے کہ جو حضرات بینک وغیرہ میں ملازمت کرتے ہیں، جہاں سود وغیرہ کا کام ہوتا ہے، مفتیان کرام متبادل ملنے تک بادل ناخواستہ اس میں لگے رہنے کی اجازت دیتے ہیں، اس لیے کہ اگر آدمی سڑک پر آ گیا تو اسے زیادہ بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، اس لیے اھون البلیتین دو میں سے جو ہلکی ہے اسے قبول کیے رہنے کی اجازت دی جاتی ہے، اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ متبادل ملازمت کی تلاش کی جائے، لیکن بہت غور و فکر کے بعد ایسا نہ ہو کہ اچھے کی تلاش میں موجودہ ملازمت بھی جاتی رہے اور مثل مشہور ہے کہ آدھی چھوڑ ساری کو جائے۔ آدھی رہے نہ ساری پائے۔

اچھی باتیں

”ضرورت پڑنے پر بہانہ اور بُرے وقت میں طعنہ کوئی کتنا بھی اپنا ہو مار ہی دیتا ہے ☆ ہنسی کے پیچھے کا درد، غصے کے پیچھے کا پیار اور خاموش رہنے کی وجہ بس کوئی کوئی ہی سمجھتا ہے ☆ مکافات عمل جب شروع ہوتا ہے تو آپ کو وہ پتھر بھی آ کر لگتا ہے، جو آپ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں کبھی مارا تھا ☆ شام زندگی کی ہو یا دُکھوں کی آخر ڈھل ہی جاتی ہے ☆ ضرورت سے زیادہ وقت اور عزت دینے سے اکثر لوگ بدل جاتے ہیں ☆ زندگی میں ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں، مکھن لگانے والوں کے ہاتھوں میں ہمیشہ چاقو ہوتا ہے۔ ☆ اپنے بارے میں کسی پیر فقیر سے نہیں، آنکھیں بند کر کے اپنے ضمیر سے پوچھیے“۔ (حاصل مطالعہ و مشاہدہ)

بلا تبصرہ

”رائے دہندگان کے فیصلے کی روح کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یہ راز، راز نہیں رہ جائے گا کہ فیصلہ اقتدار مخالف ہے، خود وزیر اعظم کا، ووٹوں کی گنتی کے دوران ایک آدھ بار ہی سہی، مد مقابل سے پچھڑ جانا، پھر جیتنا مگر بہت کم ووٹوں کے فرق سے جیتنا، فیض آباد (اجودھیا) میں بی جے پی کے امیدوار کا ہار جانا، مودی حکومت کے کم و بیش ایک درجن وزراء کا شکست سے دوچار ہونا اور ایسے ہی کئی معاملات سے عوام کی ناراضگی ظاہر ہوتی ہے، ایسی صورت میں وزیر اعظم کو چاہیے تھا کہ، پارٹی کی ”شکست“ کی اخلاقی ذمہ داری قبول کرتے اور تیسری مرتبہ وزارت عظمیٰ کا حلف لینے سے گریز کرتے۔“ (اداریہ: انقلاب ۸ر جون ۲۴)

اللہ کی باتیں ــــ رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے مقرب بندوں کو بھی آزماتا ہے

''اور ہم تم لوگوں کو خوف، بھوک، مال، جان اور پھلوں کے نقصان سے کچھ ضرور آزمائیں گے، اس سلسلہ میں آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے، جن کا حال یہ ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہمیں اللہ کی ہی طرف واپس ہونا ہے، یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے نوازشیں اور رحمتیں ہوں گی اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں'' (سورہ بقرہ:۱۵۶)

وضاحت: حق تعالیٰ سبحانہ اپنے مقرب بندوں کو بھی آزماتا ہے، کبھی ان پر خوف ودہشت طاری کرتا ہے اور کبھی جانی ومالی پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہے اور اس کے ذریعہ اس کے مرتبہ کو بلند کرتا ہے، تعلق اور محبت میں مزید اضافہ کرتا ہے، اسکے بعد پھر اللہ تعالیٰ ان کو صبر واستقامت اور شکر وصبر کی توفیق بخشتا ہے، یہاں تک کہ وہ تمام خطاؤں سے پاک صاف ہوجاتا ہے، آزمائشیں سب سے زیادہ انبیاء علیم السلام پر ڈالی گئیں، پھر درجہ بدرجہ اولیاء وصلحاء پر، جتنا کسی کا دین مضبوط اور عنداللہ اس کا مرتبہ بلند ہے اسی قدر اسے آزمائشوں میں ڈالا جاتا ہے اور اس سے اس کے درجات بلند ہوتے رہتے ہیں، ترمذی شریف کی ایک روایت ہے کہ ایک صحابی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! سب سے زیادہ آزمائش کس کی ہوتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کو، پھر جوان کے قریب سے قریب تر ہو، آدمی کو اس کے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے، پس اگر وہ اپنے دین میں پختہ ہو تو اس کی آزمائش بھی کڑی ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں کمزوری ہو تو اسے اس کے دین کی بقدر آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، پس آزمائش بندے کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے، یہاں تک کہ اس کو ایسا کر چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر ایسی حالت میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا، دوسری روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مصیبت ہمیشہ مومن بندے اور مومن بندی کے ساتھ رہتی ہے، اس کی ذات میں بھی، اس کی اولاد میں بھی اور اس کے مال میں بھی، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرتا ہے کہ اس کے گناہ ڈھل چکے ہوتے ہیں (ترمذی) معلوم ہوا کہ نیک بندوں پر مصیبتیں گناہوں کی وجہ سے نہیں آتی، بلکہ تطہیر قلب کے لئے آتی ہیں، اس کے برعکس فاسق وفجار پر جو آفتیں نازل ہوتی ہیں وہ ان کی بداعمالیوں کے نتیجہ میں آتی ہیں، گرچہ اس کے کرتوں کی سزا آخرت میں ملے گی، پہلے اس کا سارا کچا چٹھا سامنے رکھ دیا جائے گا، جہاں اس کے ہاتھ، پاؤں سب گواہی دیں گے اور کہیں گے کہ ہاں، اے اللہ! اس شخص نے فلاں وقت فلاں غلط عمل کیا تھا، اس کو سزا ملنی چاہئے، وہاں کی سزا کا کچھ نمونہ اللہ تعالیٰ یہاں بھی دکھلادیں گے، تاکہ لوگوں کو توبہ وانابت کی توفیق مل جائے، ہاں اگر آدمی گرفتار بلا کے بعد بھی توبہ واستغفار نہیں کرتا تو پھر اس پر دنیا میں گرفت مضبوط کردی جائے گی، اس لئے ایسے لوگوں کو سنبھل جانا چاہئے اور اللہ سے دنیا میں ہی آخرت کی سزا بخش دینے کی دعا کرنی چاہئے۔

بیوی فریق نہیں، رفیق ہوتی ہے

''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ جب کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت بیدار ہوتے اور آپ کو یہ اندازہ ہوتا کہ میری آنکھ لگ گئی ہے تو آپ دھیرے سے جوتے پہنتے، آہستہ سے چادر اٹھاتے، پھر ہولے سے کواڑ کھولتے اور باہر آکر دھیمے سے بھیڑ دیتے'' (نسائی، کتاب عشرۃ النساء)

مطلب: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرت مبارکہ کا ہر گوشہ آئینہ کی مانند صاف وشفاف اور چاند وسورج کی مانند روشن وتابناک ہے، آپ کی سیرت کے مطالعہ سے قدم قدم پر رہنمائی ملتی ہے، جس کی نظیر کسی اور مذہبی پیشواوں میں نہیں ملتی ہے، آپؐ اخلاق وکردار کے اعلیٰ معیار پر فائز تھے، ہمدردی وغمگساری، خیر وبھلائی کے معاملہ میں سب سے آگے تھے، دوسروں کے آرام وراحت کا اس قدر خیال فرماتے کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ بھی الفت ومحبت اور خوش اخلاقی سے پیش آتے، ازواج مطہرات کو بھی اللہ کے رسولؐ سے نہ صرف محبت تھی بلکہ عشق تھا، وہ شوہر کی خدمت واطاعت کو عبادت سمجھتیں اور آپس میں لطف وخوبی کے ساتھ زندگی گذارتیں جب کبھی راتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے درمیان نہ پاتیں تو بے قرار ہوجاتیں، نسائی کی ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس نہ پایا، رات تاریک تھی، گھر اندھیرا تھا، تشویش پیدا ہوئی، ادھر ادھر ڈھونڈا، آخر تلاش کرتی ہوئی قبرستان تک پہونچ گئیں تو دیکھا آپ تسبیح وتہلیل اور دعاء واستغفار میں مشغول ہیں، الٹے پاؤں گھر واپس آئیں اور صبح آپؐ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، ہاں ہمیں رات میں کوئی کالی چیز سامنے جاتے ہوئے معلوم ہوئی تھی، اب سمجھ میں آیا کہ تم ہی تھی، چونکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ وفا شعار اور فرض شناس بیوی تھی اس لئے آپؐ کی طرف سے محبت، اعتماد اور تحفظ حاصل تھا، وہ کبھی بدگمان نہیں ہوتیں، یاد رکھئے کہ جب ازدواجی زندگی کی گاڑی سلامتی سے گذرتی ہے تو پرپیچ وادیاں بھی دیبا ومخمل سے زیادہ نرم وگداز بن جاتی ہیں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خانگی اور عائلی زندگی کو پر کیف اور مسرت بخش بنانے کے لئے بیویوں سے ہنسی ودل لگی کی باتیں کرتے، کبھی کبھی دل بہلانے کے لئے مزاحیہ واقعات اور تفریحی کہانیاں سناتے، خود بھی تبسم فرماتے اور ازواج مطہرات کو بھی ہنساتے کھلاتے، راتوں کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہوتے اور بسا اوقات ازواج مطہرات نیند میں ہوتیں تو ان کے آرام کا حد درجہ خیال فرماتے، بہت آہستہ سے دروازہ کھولتے اور ہولے سے بھیڑ دیتے تاکہ نیند میں خلل پیدا نہ ہو، گرچہ یہ باتیں ہلکی پھلکی معلوم ہوتی ہیں، مگر اس سے اندازہ لگائیے کہ آپؐ اپنی ازواج مطہرات کے آرام وراحت کا کس قدر خیال فرماتے، اس میں پوری عالم انسانیت کے لئے ایک پیغام ہے کہ بیویاں فریق نہیں، رفیق ہوتی ہیں، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے ازدواجی زندگی میں بہتری وخوشگواری آتی ہے۔

دینی مسائل

مفتی احتکام الحق قاسمی

ماہ محرم اور اس کے رسوم وبدعات

س: محرم الحرام کے ذریعہ ہجری سال کا آغاز ہوتا ہے، اس مہینہ کا استقبال کس طرح کرنا چاہئے، اسلامی تعلیمات کیا ہیں، اس مہینہ میں تعزیہ سازی، سینہ کوبی، نوحہ وماتم، ڈھول باجا، مرثیے گانا، یا علی یا حسین کا نعرہ بلند کرنا، کھچڑا اور سبیل وغیرہ بہت سارے رسوم ہیں جو انجام دیئے جاتے ہیں اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس میں نہ صرف شریک ہوتی ہے بلکہ ہر طرح ان چیزوں کو انجام دیتی ہے یا پھر اس میں مدد کرتی ہے، شریعت میں ایسے کاموں کی کیا حیثیت ہے؟

ج: محرم الحرام وہ مبارک ومحترم اور پاکیزہ مہینہ ہے جس سے ہجری سال کا آغاز ہوتا ہے، اس سال کا استقبال وآغاز انتہائی پاکیزگی، شریعت کی مکمل پاسداری، اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری اور روزے کے اہتمام سے کرنا چاہئے، اس محترم اور باعظمت مہینہ کو غم وسوگ، ماتم وتعزیہ، ڈھول تاشہ باجا، کھچڑا، سبیل اور طرح طرح کے واہیات وخرافات اور رسم ورواج سے جکڑ دینا اسلامی تعلیمات کے سخت خلاف ہے، ان چیزوں کا ثبوت کتاب وسنت، صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین کسی سے نہیں ہے، یہ سب رسم ورواج اور بدعات ہیں جن سے بچنا اور ماہ مبارک کو پاک کرنا نہایت ضروری ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی رسم پیدا کی جو اس میں نہیں تھی تو وہ مردود ہوگی۔ "من أحدث فی أمرنا هذا مالیس فیه فهو رد" (صحیح البخاری: ۲۶۹۷، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے، "کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار" (سنن نسائی: ۱۵۷۹، کتاب صلاۃ العیدین، باب کیف الخطبة) آپ نے ارشاد فرمایا: جس نے رخسار پیٹا، گریبان چاک کیا اور جاہلیت کا نعرہ بلند کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب و دعا بدعوی الجاهلیة" (صحیح البخاری: ۱۲۹۴، کتاب الجنائز، باب لیس منا من ضرب الخدود)

محرم میں نفلی روزے رکھنا:

س: ماہ محرم الحرام میں نفلی روزے رکھنا کیسا ہے؟

ج: مسلم شریف کی روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''رمضان کے روزے کے بعد سب سے افضل روزہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ محرم کا روزہ ہے۔ اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز یعنی تہجد کی نماز ہے۔'' (صحیح مسلم جلد ۱، صفحہ ۳۶۸؛ باب فضل صوم المحرم) حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک کے بعد نفلی روزوں کے لیے افضل ترین مہینہ محرم الحرام کا مہینہ ہے، اس لیے اس میں روزہ رکھنا باعث سعادت وفضیلت ہے۔

عاشورہ کا روزہ:

س: عاشورہ کے روزے کی شرعی حیثیت اور فضیلت کیا ہے؟

ج: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کے دن روزہ رکھا کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہارے نزدیک اس دن کی کیا اہمیت ہے، کہ تم اس کا روزہ رکھتے ہو؟ یہودیوں نے کہا کہ یہ بڑی عظمت والا دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کے لوگوں کو ڈبو دیا تھا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری کے لیے اس دن کا روزہ رکھا اور اسی لیے ہم بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہماری قربت تم سے زیادہ ہے، اور اس (روزہ رکھنے) کے ہم زیادہ حقدار ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور مسلمانوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔'' (صحیح البخاری جلد ا، صفحہ ۲۶۸؛ باب صیام یوم عاشوراء) ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن روزہ رکھا اور اس دن روزہ کا حکم کیا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ دن تو ایسا ہے کہ اس کی تعظیم یہود و نصاریٰ کرتے ہیں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگلے سال ان شاء اللہ نویں محرم کا بھی روزہ رکھوں گا، لیکن اگلے سال تک زندگی نے وفا نہیں کی اور اس سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ (صحیح مسلم جلد ا، صفحہ ۳۵۹) بخاری شریف کی روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ (صحیح البخاری جلد ا، صفحہ ۲۶۸)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا، ابتداءً دسویں محرم کا روزہ شروع ہوا پھر یہود ونصاریٰ کی مخالفت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ایک دن پہلے یعنی نویں محرم کے روزہ رکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، لیکن زندگی نے وفا نہیں کی اور اگلا محرم آنے سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہوگئے۔

بہر حال ۹،۱۰ر۱۱رمحرم کو روزہ رکھنا مستحب ہے اور حدیث پاک میں اس کی بڑی فضیلت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ عاشورہ کا روزہ رکھنے سے اس کے پہلے والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے۔'' (صحیح مسلم جلد ا، صفحہ ۳۶۷)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

Scanned with CamScanner

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار
نقیب
پھلواری شریف، پٹنہ

پھلواری شریف

جلدنمبر 64/74 شمارہ نمبر ۲۳ مورخہ ۱۷ر ذی الحجہ ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۴ر جون ۲۰۲۴ء روز سوموار

بہتر (۷۲) نفری وزارت، مسلم ندارد

۹ر جون ۲۰۲۴ء کو نریندر دامودر داس مودی نے بہتر (۷۲) نفری وزارت کے ساتھ خود بھی تیسری بار وزیر اعظم کی حیثیت سے حلف اٹھایا، بعد میں قلم دانوں کی تقسیم بھی ہوگئی، یہ پہلی بار ہے کہ نریندر مودی کی وزارت میں کوئی مسلم وزیر نہیں ہے، مودی جی ''کانگریس مکت بھارت'' تو نہیں بنا سکے، لیکن ''مسلم مکت وزارت'' بنانے میں انہوں نے کامیابی حاصل کر لی، یہ بات کہنے کی ہے کہ این ڈی اے سے کوئی مسلم جیت کر نہیں آیا، جب پنجاب سے رونیت سنگھ بٹو کو انتخاب میں شکست کے باوجود اور کیرالہ سے بی جے پی کے جنرل سکریٹری جارج کورین کو پارلیامنٹ اور راجیہ سبھا کا رکن نہ ہونے کے باوجود وزیر بنایا جاسکتا ہے تو ہارے ہوئے مسلم امیدوار کو بھی وزارت میں لیا جاسکتا تھا، گو ہمارے نزدیک ہارے ہوئے کو وزارت سونپنا، رائے دہندوں کی توہین ہے، لیکن یہ توہین ایک جگہ کی جاسکتی ہے تو مسلمانوں کے سلسلے میں بھی اس کا جواز بن جاتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ چھ ماہ کے اندر پارٹی اسے راجیہ سبھا میں پہونچا دیتی ہے یا کسی محفوظ سیٹ سے ضمنی الیکشن میں وہ جیت کر ممبر پارلیامنٹ بن جاتا ہے، ایسا کیا بھی جاسکتا تھا، لیکن مسلم مخالف ذہنیت نے ایسا نہیں ہونے دیا، لطف کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کی کسی پارٹی کو بھی یہ کمی نہیں کھل رہی ہے، اکثریتی طبقہ کو مطمئن کرنے کی جو ہوا بی جے پی نے چلائی تھی، اس کا اثر اب دوسری پارٹیوں پر بھی دکھنے لگا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ جے ڈی یو، ٹی ڈی پی سے کوئی مسلمان جیت کر پارلیامنٹ نہیں پہونچ سکا، ایل جے پی نے کسی مسلمان کو ٹکٹ دیا ہی نہیں تھا، اس کے باوجود نیت صاف ہوتی تو غلام علی کھٹانہ کو وزارت میں لیا جاسکتا تھا، وہ جموں کشمیر سے آتے ہیں، بی جے پی کے مضبوط لیڈر ہیں اور راجیہ سبھا کے نامزد ممبر بھی۔

جن ارکان کو حلف دلایا گیا، ان میں تیس (30) کابینہ درجہ کے وزیر ہیں، جب کہ پانچ وزراء مملکت ہیں، جنہیں آزاد چارج دیا گیا ہے، چھتیس (36) وزیر، وزیر مملکت درجے کے ہیں۔ نریندر مودی نے اپنی پارٹی سے پُرانے چہروں کو ہی زیادہ تر لیا ہے، نئے چہرے اتحادیوں کے ہیں، فارمولہ بڑی پارٹیوں کے لیے چار ایک اور چھوٹی پارٹی کے لیے تین پر ایک کا تھا اور جو پارٹی سے اکلوتے جیت کر آئے، ان کی لاٹری بھی لگ گئی، کیوں کہ اگر ان کو وزارت نہیں ملتی تو وہ ٹڑی پار ہوسکتے تھے، مودی جی نے سب کا خیال رکھا، جیتن رام مانجھی قسمت کے دھنی تھے، اسی (80) سال کی عمر میں پہلی بار پارلیامنٹ کا انتخاب جیتا اور چھوٹی صنعت سے متعلق وزارت کی کرسی پر براجمان ہوگیے۔

وزیر اعظم نے اپنی پارٹی سے وزراء کے انتخاب میں اس بات کا بھی دھیان رکھا ہے کہ جو لوگ باغیانہ تیور اختیار کر سکتے تھے ان کو جگہ مل جائے، جے پی نڈا، منوہر لال کھٹر، شیوراج سنگھ چوہان کو اسی نقطہ نظر سے نئے چہرے کے طور پر کابینہ میں جگہ مل گئی، تئیس (۲۳) ریاستوں کو وزارت میں ملی نمائندگی میں ذات اور قبائل کے طور پر درجہ بندی کی جائے تو 27 او بی سی 10 درج فہرست ذات، پانچ درج فہرست قبائل اور پانچ اقلیتی (مسلم چھوڑ کر) طبقے سے آئے ہیں، تھوڑا اور اندر جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وزراء میں سات (7) سابق وزراء اعلیٰ، سات (7) عورتیں، چھ (6) سیاسی خاندان کے لوگ ہیں، خیال ریاستوں کی وسعت اور متعینہ نشستوں کا بھی رکھا گیا ہے، چنانچہ اتر پردیش سے گیارہ (11)، بہار سے آٹھ (8)، گجرات سے پانچ (5)، مہاراشٹر سے چھ (6)، مدھیہ پردیش اور راجستھان سے چار چار، مغربی بنگال، کیرل سے دو دو، پنجاب، جموں کشمیر، دہلی، گوا، تامل ناڈو اور اتراکھنڈ سے ایک ایک وزیر بنائے گئے ہیں، بعض فیصلے وزیر اعظم نے چونکانے والے لیے، ان فیصلوں میں انوراگ ٹھاکر، انیل بلونی اور راجیو چندر شیکھر، اسمرتی ایرانی، ارجن منڈا کو اپنی کابینہ سے الگ رکھنا بھی ہے، حالاں کہ ان کا وزیر بننا طے مانا جارہا تھا۔

وزیر اعظم کی حلف برداری تقریب میں قریب کے جن ملکوں کے سربراہان کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی، ان میں نیپال، مالدیپ، ماریشش، بھوٹان، سے شلس، بنگلہ دیش، سری لنکا جیسے ملک تھے، جب کہ افغانستان، پاکستان اور چین کی سرحدیں بھی ہندوستان سے قریب ہیں، انہیں نہیں پوچھا گیا، جے پی نڈا کو وزارت میں لینے کا مطلب ہے کہ بی جے پی کا صدر کوئی دوسرا چنا جائے گا، جو آر ایس ایس کا پسندیدہ شخص ہوسکتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ اتر پردیش میں کراری ہار کو سامنے رکھتے ہوئے یوگی ادتیہ ناتھ کو وزیر اعلیٰ کی کرسی چھوڑنی پڑے اور بغاوت کی آواز ان کے اندر سے نہ ابھرے، اس کے لیے انہیں بی جے پی کا صدر بنا دیا جائے، بی جے پی کو ایک سخت گیر صدر کی تلاش ہے جو موہن بھاگوت اور آر ایس ایس کے لیے قابل قبول ہو اور یوگی ادتیہ ناتھ اس کسوٹی پر پورے اترتے ہیں وہ آر ایس ایس کے قریب سمجھے جاتے ہیں۔ خصوصاً اس صورت میں جب موہن بھاگوت کا بیان بغیر نام لیے مودی جی کے خلاف آیا ہے، جس میں انہوں نے سیوک کو مغرور اور منی پور کے حالات کو ایک سال میں پُرامن نہیں بنائے جانے پر سخت ردعمل کا اظہار کیا ہے۔

پرفل کمار کو بھی وزیر بننا تھا، لیکن وہ پہلے مرکز میں کابینی وزیر رہ چکے ہیں، انہیں راجیہ منتری کا درجہ مل رہا تھا، اس لیے انہوں نے حلف برداری میں شرکت سے انکار کر دیا، اس درمیان بغاوت کی جو آواز بلند ہوگی اس کو خاموش کرنے کے لیے وزیر اعظم کے پاس ضابطہ کے اعتبار سے آٹھ (8) اور وزیر کے تقرر کی گنجائش ہے، اس لیے مانا جارہا ہے کہ دیر سویر مزید وزراء کی حلف برداری کے ذریعہ یہ تعداد اسی (80) تک پہونچائی جاسکتی ہے۔

حلف برداری تقریب میں صدر جمہوریہ دروپدی مرمو کو کم وبیش ایک سو چھیالیس (146) بار اٹھ بیٹھ کرنا پڑا، تہتر (73) بار حلف دلانے کے لیے اور تہتر بار حلف کے بعد وزراء سے استقبال قبول کرنے کے لیے، کچھ یہی حال پہلی صف میں بیٹھے نریندر مودی اور ان کے وزراء کا رہا، انہیں ایک بار حلف کے لیے اسٹیج پر جانا پڑا اور دوسری بار حلف لینے کے بعد وزراء کے استقبال کے لیے کھڑا ہونا پڑا، ایک سو چھیالیس (146) بار جلد جلد اٹھنا بیٹھنا آسان کام نہیں ہے، لیکن یہ رسم بھی بھرپور انداز میں پوری کی گئی۔

قلم دان کی جو تقسیم کی گئی ہے اس میں امیت شاہ کو وزیر داخلہ، راج ناتھ سنگھ کو وزیر دفاع، جے شنکر کو وزیر خارجہ، نرملا سیتارمن کو حسب سابق وزیر خزانہ باقی رکھا گیا ہے، کئی اور وزارتیں علی حالہ سابق وزراء کے سپرد کی گئی ہیں، وزیر تعلیم بھی بی جے پی کا ہی ہے، اس سے جو بات کھل کر سامنے آئی ہے وہ یہ کہ مودی جی کے تیسرے دور میں ان کی داخلہ، خارجہ، دفاعی، مالیاتی اور تعلیمی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، داخلہ کے علیٰ حالہ باقی رہنے کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ جو سوتیلا سلوک مودی عہد حکومت میں ہوتا رہا ہے، وہ باقی رہے گا، سی اے اے، این سی آر، یوسی سی پر اندر ہی اندر کام ہوتا رہے گا اور مناسب وقت پر اس کے نفاذ کی کوشش کی جائے گی، خارجہ پالیسی میں مسلم ممالک سے رشتے بڑھائے جائیں گے چین، پاکستان، افغانستان اور مالدیپ کے حوالے سے کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، نرملا سیتارمن بیروزگاری، مہنگائی اور عام استعمال کی چیزوں کی قیمتیں بڑھا کر غریب اور پسماندہ لوگوں کو پریشان کرتی رہیں گی، جی ایس ٹی اور کمر توڑ ٹیکس کا سامنا عام ہندوستانیوں کو کرنا ہوگا، اور انبانی، اڈانی جیسے گجراتی تاجروں کے قرضے معاف کیے جاتے رہیں گے، نئی تعلیمی پالیسی کو رواج دیا جائے گا اور مدارس وغیرہ کے نصاب تعلیم کو بھی اس کے تابع کیا جائے گا، اس کا آغاز بہار سے نتیش کمار کی حکومت میں کیا جاچکا ہے، چنانچہ امتیاز احمد کریمی کو ایک پانچ رکنی کمیٹی کا چیرمین بنایا گیا ہے تاکہ وہ مدارس کے نصاب تعلیم کو نئی تعلیمی پالیسی سے ہم آہنگ کرنے کے لیے سرکار کو ضروری مشورے دیں، ظاہر ہے دوسرے صوبوں میں بھی یہ سلسلہ جاری ہوگا، ایسے میں مدارس کا وجود عملاً ختم ہوجائے گا، جس کی شروعات پہلے ہی بہار میں مولوی آرٹس، مولوی سائنس، مولوی کامرس اور عالم درجات اور آنرس میں اس تقسیم کے ذریعہ کر دیا گیا ہے، مدارس کی پریشانی یہ ہے کہ اسی پر نادان دوستوں کے ذریعہ سبجیکٹ کا بوجھ بڑھایا جارہا ہے، اور اس اعتبار سے اساتذہ وہاں بحال نہیں کیے جارہے ہیں کہ ہر کلاس میں ایک استاذ ہو سکے، میں نے ایسے سفارش کاروں کو ''نادان دوست'' اس لیے کہا ہے کہ انہوں نے سرکار کو خوش کرنے کے لیے نصاب میں تبدیلی اور درجہ بندی کردی، لیکن پڑھائے گا کون اس طرف ان کا خیال ہی نہیں گیا۔

وزیر اعظم نے اپنے وزیروں کے درمیان قلم دان تقسیم کر کے اپنی حلیف جماعتوں کو بھی خاموش پیغام پہونچانے میں کامیابی حاصل کی ہے کہ این ڈی اے اتحاد میں بھی وہی ہوگا جو مودی اور امیت شاہ چاہیں گے، اس پیغام نے اس پروپیگنڈہ پر لگام لگا دیا ہے کہ جدیو یہ وزارت مانگ رہی ہے، اور تیلگو دیشم پارٹی فلاں فلاں وزارت کی خواہش مند ہے، قلم دان کی تقسیم میں کسی پارٹی کی نہیں چلی، اور مودی جی نے سب کو نظر انداز کر کے این ڈی اے کی حلیف جماعتوں کو بقول کانگریس ترجمان ''جھنجھنا'' پکڑا دیا ہے، جیتن رام مانجھی کو یہ کہنا پڑا کہ وزارت بڑی نہیں ہوتی کام بڑا ہوتا ہے، حالاں کہ ان کو چھوٹی صنعتوں کی وزارت دی گئی ہے، حلیف جماعتوں میں سب سے اچھی وزارت فوڈ پروسیسنگ کی چراغ پاسبان کو ملی ہے، جو پہلے ان کے والد رام بلاس پاسبان کے پاس تھی۔

مودی جی کی پہلی وزارت جس کا آغاز ۲۰۱۴ء میں ہوا تھا، اس میں نجمہ ہبت اللہ، ایم جے اکبر اور مختار عباس نقوی تین مسلم وزیر تھے، ۲۰۱۹ء کی وزارت میں مسلم وزراء کی چھٹنی شروع ہوئی اور صرف مختار عباس نقوی کو شامل کیا گیا ۲۰۲۲ء میں ان کی راجیہ سبھا کی مدت ختم ہوگئی اور دوبارہ بی جے پی نے انہیں راجیہ سبھا نہیں بھیجا تو انہیں وزیر کا عہدہ چھوڑ دینا پڑا، اس طرح مودی جی کے دوسرے دور میں ۲۰۲۲ء سے ہی کوئی مسلم وزیر نہیں تھا، ''مسلم مکت'' وزارت کا کام ان کے دوسرے دور سے ہی شروع ہو چکا تھا، تیسرے دور میں بالکلیہ مسلمانوں کو نظر انداز کر دیا گیا اور سترہ (۱۷) سے بیس (۲۰) فی صد ہندوستانی مسلمانوں کا کوئی نمائندہ حکومت میں نہیں ہے۔

وزارت بن گئی، قلم دان تقسیم ہوگیے، حلف لینے کے قبل چائے پر وزراء کو نریندر مودی نے بلایا، سو دن کا ٹاسک دے دیا ہے، کس قدر عمل ہوسکے گا یہ کہنا مشکل ہے، ہماری رائے یہ ہے کہ نئی حکومت کے بارے میں کوئی واضح بات کہنا ذرا مشکل ہے، حکومت بنی ہے، اسے کام کرنے دیجئے اور دیکھتے رہیے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

دو اہم واقعات

4 جون کو انتخاب کے نتائج کے ساتھ دو اور قابل ذکر کام ہوئے ایک تو انتخابی نتائج کے دن شیئر کی قیمتوں کا اوندھے منہ گر جانا ہے، حصص خریدنے کے لیے مودی اور امیت شاہ نے تلقین بھی کی تھی، دوسرے دن حصص کی قیمت گر جانے سے شیئر خریدنے والوں کا بڑا نقصان ہوا، بعض تو کنگال ہوگیے، کہا یہ جارہا ہے کہ ایسا انبانی اور اڈانی کو فائدہ پہونچانے کے لیے کیا گیا، حزب مخالف اس کی بھی جانچ کے لیے آواز اٹھا رہی ہے، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ شیر بازار ابتدائی رجحان میں گرتا چلا گیا اور بے تحاشہ گرا، جس کی وجہ سے حصص کے خریداروں کو غیر معمولی نقصان ہوا، جیسے جیسے شام تک این ڈی اے کو اکثریت ملنے کی بات سامنے آئی اور یقین سا ہوگیا کہ این ڈی اے کی حکومت بنے گی شیر بازار اٹھتا چلا گیا اور دوسرے دن غیر معمولی طور پر شیر بازار میں اچھال آیا۔ کانگریس کا کہنا ہے کہ یہ اتار چڑھاؤ مصنوعی تھا، اس لیے اس کی جانچ ہونی چاہیے، جانچ تو ہونی نہیں ہے، البتہ اتنی بات صاف ہوگئی کہ مودی حکومت امراء کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے، اسی لیے انڈیا اتحاد کی حکومت آنے کے خطرے سے حصص گرتے چلے گیے۔

دوسرا بڑا واقعہ نیٹ کا رزلٹ پارلیمانی انتخابی نتائج کے دن سے دس دن قبل چار جون کو ہی شائع کر دیا گیا تاکہ اس امتحان میں پیپر لیک اور سوالات کی خرید وفروخت کا معاملہ دب جائے۔ اس بدعنوانی کی وجہ سے پورے نمبر 720 لانے والوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ الامان والحفیظ، تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا، چھ سو (600) سے اوپر نمبر لانے والے بھی اتنی بڑی تعداد میں آگیے ہیں کہ ان میں سے سب کو اچھے میڈیکل کالج نہیں مل سکیں گے اور کٹ آف مارکس اتنا اوپر رہے گا کہ بہت سارے امیدواروں کا داخلہ مشکل ہوجائے گا، اس پورے واقعہ کی جانچ اور نیٹ امتحان کو کینسل کر کے دوبارہ کرانے کی مانگ دن بدن زور پکڑ رہی ہے، معاملہ سپریم کورٹ پہونچ گیا ہے اور عدالت نے پیپر لیک معاملہ سے متعلق ایجنسی اور افراد کو نوٹس جاری کیا ہے، البتہ اس نے کونسلنگ پر روک لگانے سے انکار کر دیا ہے، سماعت کی تاریخ مقرر کر دی ہے، لیکن اس میں کچھ ہوتا جاتا نظر نہیں آتا۔

Scanned with CamScanner

یادوں کے چراغ

✍: مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

ڈاکٹر فرد الحسن فرد

مشہور شاعر، بہترین نثر نگار، مشاعروں کے ناظم، ارم پبلیکیشن ہاؤس دریاپور پٹنہ کے مالک، بارہ سے زائد کتابوں کے مصنف ومؤلف جناب فرد الحسن فرد کا انٹھاون (58) برس کی عمر میں پٹنہ کے ایک اسپتال میں ۶ر فروری ۲۰۲۴ء کو انتقال ہوگیا، وہ عارضہ قلب میں مبتلا تھے، جنازہ ان کے آبائی گاؤں شیر گھاٹی گیا لایا گیا اور شیر گھاٹی کے قاضی محلہ واقع قاضی باغ قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، پس ماندگان میں اہلیہ نکہت جہاں کے علاوہ، تین لڑکے شائق (احسن)، فائق، فائز اور تین لڑکیاں شائقہ، فائقہ، (صادقہ) اور فائزہ کو چھوڑا۔

ڈاکٹر فرد الحسن فرد، سید ابوالحسن اور سیدہ صالحہ خاتون کے گھر ۶ر جنوری ۱۹۶۶ء کو دھنبا د موجودہ جھارکھنڈ میں پیدا ہوئے، ان کا آبائی وطن قاضی محلہ شیر گھاٹی گیا ہے، تعلیم وتربیت کے مراحل دھنباد اور پٹنہ میں طے ہوئے، معاشی استحکام کے لیے تجارت کو اپنایا، ارم پبلشنگ ہاؤس کے نام سے دریاپور پٹنہ میں ان کی تجارت تھی، جس نے کم وقت میں اردو ادب سے متعلق کتابوں کی عمدہ طباعت میں ایک رکارڈ قائم کیا، پڑھنے لکھنے کا مشغلہ جاری رہا، شاعری بھی کی، نثر میں بھی نام کمایا، ان کی تصنیفات وتالیفات میں سرمایۂ حیات (۱۹۸۵) گلدستۂ شوخ (۲۰۰۴) مصحف تاریخ (۲۰۰۹) کنز العلوم (۲۰۱۰) بے ترتیب (۲۰۱۰) روبرو۔ ناوک حمزہ پوری سے انٹرویو (۲۰۱۱)، مقالات شہودی (۲۰۱۳) بے چارے لوگ (۲۰۱۵)، بے ربط (۲۰۱۹)، بے اختیار (۲۰۲۰)، سردار جعفری کے خطوط محمد حسن کے نام (۲۰۲۱) مطبوعہ شکل میں موجود ہیں، ''بے چارگی'' بے کم وکاست بھی انہوں نے مکمل کر دیا تھا، لیکن طباعت کے قبل ہی ان کی زندگی کا آخری صفحہ الٹ گیا، اور یہ دونوں کتابیں منظر عام پر نہ آسکیں۔

ڈاکٹر فرد الحسن فرد نے ریسرچ فیلو کی حیثیت سے ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۳ء تک خدا بخش اورنٹیل پبلک لائبریری میں کام کیا، کنز العلوم اسی دور کی یادگار ہے، یہ خدا بخش لائبریری کے اردو مخطوطات کی فہرست ہے، جس پر نظر ثانی کا کام مولانا محمد شاہ جہاں قاسمی نے کیا تھا اور خدا بخش لائبریری سے اس کی طباعت ہوئی تھی، مقالات مولانا شہودی مولانا محمد انوار الحق شہودی کے مطبوعہ مضامین کا انتخاب ہے، جس کی ترتیب وتزئین کا کام فرد الحسن فرد نے کیا تھا۔

مصحف تاریخ کے اصل مصنف ناوک حمزہ پوری ہیں، البتہ ترتیب وپیش کش فرد الحسن فرد کی ہے۔

ڈاکٹر فرد الحسن فرد سے میرے تعلقات اچھے تھے، وہ عالم کی حیثیت سے میری قدر کرتے اور میں شاعر وادیب کی حیثیت سے ان کی پذیرائی، اثر فریدی نے مرکز دانش کی جانب سے ایک شعری نشست پھلواری میں بلائی تھی اور جس میں پٹنہ کے نامور شعراء کے ساتھ اس حقیر کو بھی بلایا گیا تھا، اس نشست میں پہلی بار میں نے ان کی اناؤنسری سنی تھی، اور میں نے پچی، جھوٹی شاعری پر اپنی بات رکھی تھی، پروفیسر علیم اللہ حالی نے اس مجلس کی صدارت فرمائی تھی، قوس صدیقی بھی اس مجلس میں شریک تھے۔

ڈاکٹر فرد الحسن فرد کی سبھی کتابیں میری نظر سے نہیں گذری ہیں، بعض کتابوں کے صرف ٹائٹل پیج تک ہی میری رسائی ہوسکی، البتہ انہوں نے ''بے ترتیب'' اور ''بے چارے لوگ'' خود سے نقیب میں تبصرہ کے لیے مجھے بھیجا تھا، ''بے ترتیب'' ان کی شاعری کا مجموعہ ہے اور بے چارے لوگ نثر میں ہے۔ بے ترتیب پر میں نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

''فرد کی شاعری میں جو چیز سب سے زیادہ ہمیں متاثر کرتی ہے، وہ سیدھے سادے لفظوں کا استعمال ہے، وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اس کے لئے انہیں الفاظ گڑھنا نہیں پڑتا، جسے آج کل تشکیل لفظیات کے بھاری بھرکم لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کا ایک دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ ان کے یہاں تخیل کی پرواز اتنی بلند نہیں ہے کہ الفاظ کی تنگ دامانی کے لئے انہیں شکوہ سنج ہونا پڑے، فلسفیانہ خیالات اور ادق مضامین ان کے یہاں نہ کے برابر ہیں، ان کی شاعری ہمارے گرد وپیش کی شاعری معلوم ہوتی ہے ان کا دکھ، ان کی فرقت کی داستان، ماں سے ان کی محبت، زمانہ کے بدلتے اطوار اور طریق، تہذیب وثقافت کی ٹوٹتی طنابیں اور گرتے خیمے، خوابوں کا بکھرنا اور محبوب کا بچھڑ جانا، امید ویاس میں گذرتی زندگی، یہی سب کچھ فرد الحسن فرد کی طرح سماج کے ہر فرد کی کہانی ہے، کہانی اپنی ہو تو کسے بھلی نہیں معلوم ہوتی۔'' (حرف آگہی صفحہ ۹۹)

فرد الحسن کی دوسری کتاب ''بے چارے لوگ'' بھی تبصرہ کے لیے آئی تھی، اس کے اقتباس کا بھی نقل کرنا افادیت اور دلچسپی سے خالی نہیں ہے، میں نے لکھا تھا:

''بے چارے لوگ'' فرد الحسن فرد کے تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے، جس میں انتہائی دقت نظر کے ساتھ تاریخی حوالوں سے شعر وادب کی بعض اہم شخصیات کی زندگی اور خدمات سے متعارف کرایا گیا ہے، اس کتاب میں تنقید کے اصولوں کو برتا گیا ہے جس سے یہ کتاب تحقیق، تنقید اور تاریخ کا مرقع بن گئی ہے۔'' (آوازہ لفظ وبیاں صفحہ ۱۹۶)

میں نے محاکمہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

''اتنی بات ضرور ہے اور اسے کہنے میں مجھے کوئی تکلف نہیں کہ فرد الحسن فرد کا مطالعہ وسیع ہے، انہوں نے جن شخصیات اور جن موضوعات پر لکھا ہے وہ پوری گہرائی، گیرائی اور تجزیاتی تنقید کے ساتھ لکھا ہے، آج کل جو قلم کاروں کا مزاج بن گیا ہے کہ ''کاتا اور لے دوڑے'' اس سے فرد الحسن الگ اور اپنی تحقیق وتنقید اور اس سے نتائج کے استنباط میں فرد یعنی یکتا ہیں، منفرد ہیں۔'' (ایضا صفحہ ۱۹۸)

ان کی بیشتر کتابوں کے نام ''بے'' سے شروع ہوتے ہیں، اس پر میں نے لکھا تھا:

''فرد الحسن کو شعوری طور پر حروف تہجی میں ''بے'' پسند ہے، اس پسندیدگی کی نفسیاتی وجہ مجھے نہیں معلوم، ایسا ہوسکتا ہے کہ بچپن میں جو انہوں نے ''الف'' سے اللہ کو پہچان ''ب'' سے بڑوں کا کہنا مان، پڑھا تھا، وہ اس کے ارتقائی مراحل سے گذر رہے ہوں، اللہ کی معرفت کے بعد ابھی وہ بڑوں کے کہے کو ماننے تک پہونچے ہیں، تدریجی ارتقاء کی اگلی منزل ''ت'' سے توبہ کر انسان ہے، اس منزل تک پہونچنے کے بعد انسان کو دنیا وآخرت کی سرخ روئی حاصل ہوتی ہے، فرد الحسن تو پہلے ہی سے سرخ رو ہیں، ان کا شعری مجموعہ بے ترتیب بہت پہلے شائع ہوکر داد تحسین حاصل کر چکا ہے، ''بے چارے لوگ'' آپ کے سامنے ہے ''بے ربط'' ''بے کم وکاست'' اور ''بے اختیار'' طباعت کے مرحلہ میں ہے، ''با'' سے محبت کا یہی عالم رہا تو وہ کبھی ''بے سروپا'' لے کر بھی حاضر ہوسکتے ہیں، ہمیں اس وقت کا انتظار کرنا چاہئے۔'' (ایضا صفحہ ۱۹۹)

''اے بسا آرزو کہ خاک شد'' اللہ تعالیٰ فرد الحسن فرد کی مغفرت فرمائے، پس ماندگان کو صبر جمیل اور زبان وادب کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

کتابوں کی دنیا

✍: ایڈیٹر کے قلم سے

(تبصرہ کے لئے کتابوں کے دو نسخے آنے ضروری ہیں)

بہار کے ندوی فضلاء

اردو میں تذکرہ نگاری، بیاض نویسی کی ترقی یافتہ شکل ہے یہ غیر افسانوی ادب میں سب سے مقبول صنف ہے، شروع میں تذکرہ کا اطلاق صرف شعراء کے احوال اور نمونۂ کلام پر ہوا کرتا تھا، چنانچہ تذکرہ کی جو تعریف ہے اس میں صرف شعراء کا ذکر ہے، علماء، صوفیاء اور دیگر حضرات پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا تھا، لیکن متاخرین کے یہاں تذکرہ کے معنی میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے اور کسی بھی شخص کے ذکر کو تذکرہ کے خانے میں ڈال دیا جاتا ہے، خاکے، سوانحی خاکے اور حیات وخدمات کے لئے مواد یہیں سے فراہم ہوتا ہے، اس اعتبار سے تذکرہ نگاری کا کام اہم بھی ہے اور قابل قدر بھی۔ البتہ بیاض نویسی کے اثرات اب بھی تذکروں میں پائے جاتے ہیں، تذکرہ نگار دوسروں کی تحریروں کو بعینہ اپنے تذکرہ میں جگہ دیدیتا ہے، ''واوین'' نہیں لگاتا، تاکہ پتہ چلے کہ یہ بعینہ نقل ہے، صرف حوالہ دے کر کام چلالیتا ہے اور کبھی اسے بھی گول کر دیتا ہے۔

تذکرہ میں چند جملے بھی ذکر کیے جاسکتے ہیں، تاریخ ولادت ورحلت اور مختصر احوال وکوائف کا ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے، لیکن اگر تلاش بسیار کے باوجود تاریخوں کا پتہ نہ چلے، نہ ملے تو تذکرہ نگار کو معذور سمجھا جاسکتا ہے، تذکرہ نگاری اصلاً تحقیق کا عمل ہے، بعد میں شعراء کے تذکرۃ میں خصوصیت کے ساتھ تنقید کا پہلو بھی داخل ہوگیا، ہمارے یہاں اردو میں شعراء کے جو تذکرے مطبوعہ ہیں، ان سے ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

تذکرہ نگاری اس اعتبار سے آسان ہے کہ اس میں زندگی کے سارے پہلوؤں کا احاطہ کرنا ضروری نہیں ہوتا اور اس اعتبار سے دشوار ہے کہ یہ سمندر کو کوزے میں بھرنے کا عمل ہے، جن شخصیات پر ضخیم کتابیں لکھی گئی ہوں ان پر دو چار صفحات میں اپنی بات مکمل کر لینا تذکرہ نگاری کا کمال ہوا کرتا ہے، اس کو دوسرے لفظوں میں کہیں تو یہاں اطناب کی گنجائش کم ہوتی ہے اور ایجاز مطلوب ہوتا ہے، مختصر لکھنا مشکل کام ہے؛ کیوں کہ اس میں الفاظ کا انتخاب، جملوں کا دروبست اور تعبیرات سب کی اہمیت بڑھ جاتی ہے، ایک بڑے ادیب سے کسی نے پوچھا کہ آپ اتنا طویل کیوں لکھتے ہیں؟ فرمایا: مختصر لکھنے کے لئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔

مولانا صدر عالم ندوی بن مولانا عبد القیوم شمسی گورنمنٹ ہائر سکنڈری اسکول بھگوان پور رتی ضلع اسکول ویشالی میں استاذ ہیں، منصبی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے بعد جو وقت بچتا ہے، اس کا ایک حصہ مطالعۂ کتب اور تصنیف وتالیف میں لگاتے ہیں، تذکرہ نگاری اور سوانحی احوال وکوائف پر مضامین اور کتابوں کی تیاری ان کا محبوب مشغلہ رہا ہے، تذکرہ اور سوانح کے حوالہ سے وہ ضیائے شمس، تذکرہ شعراء ویشالی اور مولانا ابو الکلام قاسمی شمسی پر مضامین کا مجموعہ مرتب کر کے مؤلفین کی فہرست میں اپنا نام درج کرانے میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں، ضیاء شمس مولانا صدر عالم ندوی کی پہلی تالیف ہے اور مولانا پر لکھے گئے مضامین کا پہلا مجموعہ بھی، جو ان کی زندگی میں چھپ گیا تھا، تذکرہ شعراء ویشالی میں گو حالیہ بیس سال کے شعراء کو ہی جگہ دی گئی ہے، لیکن جس قدر تذکرہ ہے، اچھا ہے اور زندہ شعراء کے احوال اور نمونۂ کلام سے واقفیت کے لئے حوالہ جاتی کتب میں اسے شامل کیا جاسکتا ہے، اس صنف پر مولانا کی تازہ تالیف ''بہار کے ندوی فضلاء'' طباعت کے مرحلے میں ہے، ندوی فضلاء مرحومین پر اچھا کام ہوگیا ہے، گو یہ فہرست تلاش وجستجو سے اور طویل ہوسکتی ہے۔

لیکن جو جمع ہوگئے ہیں وہ بھی کم نہیں ہیں، مولانا نے جہاں سے ان کے احوال لیے ہیں، اس کے حوالہ درج کرنے کا اہتمام کیا ہے، لیکن نصف سے زائد حضرات کے تذکرے میں حوالہ جات مذکور نہیں ہیں، ان میں سے کئی پر میرا مضمون نقیب اور یادوں کے چراغ کی پانچ جلدوں میں چھپ چکا ہے، اسی طرح اگر کسی غیر مطبوعہ کتاب سے مواد اخذ کیا گیا ہے تو اس کی نشاندہی مخطوطہ کے طور پر کرنی چاہیے، کیوں کہ جب کتاب کا نام لکھ کر صفحہ نمبر نہیں دیا جاتا تو علمی اعتبار سے حوالہ نامکمل ہوتا ہے، اسی طرح مضامین کسی پرچے سے لیے گیے اس کا ذکر شمارہ اور جلد نمبر کے ساتھ ہونا چاہیے تاکہ قاری مزید تحقیق کرنا چاہے تو اس میں آسانی پیدا ہو۔ حوالوں کے اندراج سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ غلطیاں مرتب کتاب کے بجائے اس دوسرے شخص کو منسوب ہوجاتی ہیں، جس کے مضمون سے اسے لیا گیا ہے، کبھی مرتب کو بھی چھانٹ پھٹک میں کمی کوتاہی کو قبول کرنا پڑتا ہے۔

مولانا نے کتاب کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے رکھی ہے، اس میں مقدم، مؤخر کا ہی سوال نہیں پیدا ہوتا اور نہ ہی قاری کو اپنے محبوب شخص کے تذکرہ کو بعد میں دیکھ کر دُکھ پہونچتا ہے، اس لیے کہ یہ ترتیب فطری ہوتی ہے، ان دنوں اس تاریخ وفات کے اعتبار سے ترتیب زیادہ مقبول ہے کیوں کہ اس میں تقدیم وتاخیر کا فیصلہ اللہ کے یہاں سے بلاوے پر موقوف ہوتا ہے اور اللہ کے بلاوے کی ترتیب پر بندہ کو اعتراض کا حق ہی نہیں ہوتا۔

بہار میں گذشتہ پینتیس (۳۵) سالوں میں طلبہ کا جو ندوہ کی طرف رجوع ہوا، اس میں مولانا نظیر عالم ندوی کے بعد مولانا محمد سراج الہدیٰ ندوی ازہری کا نام آتا ہے۔ یہ وہ پہلا بیچ تھا، جس کو میں نے اپنی نگرانی میں ندوۃ العلماء بھیجا، مولانا قمر عالم ندوی، مولانا ندیم اللہ ندوی، مولانا صدر عالم ندوی، میرے گاؤں کے مولانا آفتاب عالم ندوی اور ان کے بھائی نور عالم ندوی بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر ندوۃ پہونچتے رہے، ایک زمانہ میں جب جمعیت شباب اسلام قائم ہوا اور میں پہلے ضلع ویشالی کا سکریٹری اور پھر پورے بہار کا جنرل سکریٹری بنا تو میری ندوۃ آمد ورفت بڑھی جس سے بھی بہار کے طلبہ کا ندوۃ کی طرف رجوع بڑھا، میری یہ محنت اس قدر بڑھی کہ میرے خط پر میرے نام کے ساتھ ندوی لکھ کر آنے لگا، کئی بڑے جب ندوۃ کے حوالہ سے کوئی بات کہتے تو یہیں سے شروع کرتے کہ تمہارے ندوۃ کے استاذ نے میرے خلاف یہ بات کہی، حالاں کہ میں نے ندوۃ میں کبھی نہیں پڑھا، فکری اعتبار سے میں قاسمی اور ندوی دونوں ہوں۔

مولانا کی اس کتاب کو میں نے جستہ جستہ دیکھا ہے، بہار میں ندوی علماء کے ذکر اور ان کی خدمات کے حوالہ سے یہ کتاب مفید ہے اور حوالہ جاتی کتب میں شامل ہونے کے لائق ہے، میں اس کتاب کی تالیف پر مولانا کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، اور اس کے قبول عام وتام کی دعا پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

Scanned with CamScanner

حکایات اہل دل

: مولانا رضوان احمد ندوی

نیک کام میں دیر نہ کرو: خلیفہ ہارون رشید کی بیوی زبیدہ بیگم ایک دن خادمہ سے اپنی انگلیوں کے ناخن ترشوا رہی تھی، خلیفہ نے دیکھا تو کہا: ’’یہ کام تمہیں جمعہ کے دن کرنا چاہئے تھا، جمعہ کا دن بہتر بنایا گیا ہے‘‘۔ بیگم نے کہا: ’’میرے خیال میں اس میں جمعہ کی قید نہیں ہے۔

خلیفہ کو اس جواب سے اطمینان نہیں ہوا، اس نے امام ابوحنیفہؒ کو بلوانے کے لئے خادم بھیجا تاکہ ان سے یہ مسئلہ پوچھا جائے لیکن اتفاق سے امام صاحبؒ موجود نہیں تھے، بیگم نے خادم سے کہا کہ وہ اُن کے مدرسے کے کسی طالب علم کو بلا لائے، خادم نے ایک کمسن طالب علم کو بلا لیا، بیگم نے طالب علم سے پوچھا: ’’کیا تم اس مسئلے پر کچھ روشنی ڈال سکتے ہو؟ خلیفہ کا کہنا ہے کہ ناخن جمعہ کے سوا کسی دن ترشوانا مناسب نہیں‘‘۔

طالب علم نے کہا: ’’مجھے آج ہی پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا ہے، بھلا میں اس مسئلے میں کیا کہہ سکتا ہوں؟‘‘ بیگم نے پوچھا: ’’آج امام صاحب نے تمہیں کوئی سبق پڑھایا ہے یا نہیں؟‘‘ طالب علم نے کہا: ’’جس وقت میں مدرسہ گیا، امام صاحب کہیں باہر جا رہے تھے‘‘۔ بیگم نے پوچھا: ’’جاتے وقت انہوں نے کچھ کہا؟‘‘ طالب علم نے جواب دیا: ’’ہاں انہوں نے کہا کہ جب تک میں نہیں آتا، تم یہ یاد کرو کہ نیک کام میں دیر نہیں کرنا چاہئے‘‘۔ یہ جواب سن کر بیگم خوش ہوگئیں، انہوں نے خلیفہ سے کہا: ’’بس مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا ہے، میرے سوال کا جواب مل گیا ہے‘‘۔

ذہانت کا امتحان: حضرت شیخ سعدی ایک دفعہ ایران کے شہر اصفہان گئے، وہ ایک خچر پر سوار تھے، ان کے پاس ایک مرغا اور جیب خرچ کے لئے صرف دو روپے تھے، انہوں نے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ اصفہان کے لوگ بڑے ذہین اور عقل مند ہوتے ہیں، کیوں نہ آج ان کا امتحان لیا جائے؟ راستے میں انہیں لڑکا ملا، اس سے انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا ایک روپیہ بچ جائے اور ایک خرچ ہو جائے جب کہ میرے پاس صرف دو روپے ہیں، کیا آپ کوئی تدبیر بتا سکتے ہیں؟ اس لڑکے نے جواب دیا ’’واہ آپ اتنے بوڑھے ہیں اور یہ بھی نہیں جانتے، آپ ایسا کریں کہ ایک روپے کا سردا یہ ایک قسم کا پھل ہے، خریدیں، سردا خود کھالیں، اس کا چھلکا گدھے کو اور بیج مرغے کو کھلا دیں‘‘۔ حضرت شیخ سعدی اس کی ذہانت سے بہت متاثر ہوئے اور بے اختیار بول اٹھے ’’بزرگوں نے صحیح کہا ہے کہ بوڑھے ہوتے تک سیکھتے اور جانتے رہو‘‘۔ (حکایات سعدی سے ماخوذ)

گواہی قبول نہیں: عدالت میں گواہ پیش ہوا، یہ بڑا معزز گواہ تھا، وہ تنہا نہیں آیا تھا، اس کے ساتھ بہت سے حاشیہ بردار بھی آئے تھے، لیکن یہ سب عدالت کے وقار کو سمجھتے تھے، اس لئے کمرۂ عدالت سے باہر ہی کھڑے رہے، قاضی صاحب کے آگے گواہ پیش ہوا تو قاضی صاحب نے ایک نظر اسے دیکھا اور فرمایا کہ اس کی گواہی قبول نہیں کی جا سکتی! گواہ عدالت کے کمرے سے لوٹ گیا، لیکن اس کے طیش کا عالم دیکھنے کا تھا، زخمی ناگن کا غصہ بھی اس کے آگے کچھ نہ تھا، جس شخص کی گواہی قاضی صاحب نے رد کردی تھی، وہ اس مملکت کا وزیر اعظم تھا، اسے الٹے پاؤں واپس کرنے والے ابو یوسف تھے، عباسی حکومت کے پہلے چیف جسٹس! امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں وہ بہت ممتاز تھے، محمد شیبانی، زر اور دلود طائی کے علاوہ کوئی ان کی برابری نہیں کر سکتا، امام ابوحنیفہ نے اپنے شاگرد رشید کو عدالت کی کرسی سنبھالنے کی اجازت اس لئے دی تھی کہ ان کا یہ ذی علم اور متقی شاگرد اللہ کا قانون جانتا اور عدل کو پہچانتا تھا۔

قاضی ابو یوسف نے فضل بن ربیع وزیر اعظم کی گواہی قبول نہ کی وہ سیدھا ہارون رشید کے پاس پہنچا اور اس کے اگے قاضی صاحب کی زیادتی اور اپنی رسوائی اور بے عزتی پر سخت احتجاج کیا، فل بن ربیع معمولی حیثیت سے ترقی کرکے ابوجعفر منصور کے زمانے میں حاجب اور پھر ہارون رشید کے دور میں وزیر اعظم بنا، وہ بڑا حاسد اور کینہ پرور آدمی تھا، جوڑ توڑ کا خوب ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا خود غرض بھی واقع ہوا تھا، فضل بن ربیع کے کہنے پر ہارون رشید نے قاضی امام ابو یوسف کو طلب کیا تاکہ صورتِ حال معلوم کرے، عدالت کا وقت ختم ہوا تو قاضی صاحب سیدھے ہارون کے پاس پہنچے۔

تجربے اور اصول یہ بتاتا ہے کہ عدلیہ اور انتظامیہ کو ہمیشہ الگ الگ ہونا چاہئے جبھی اختیارات میں توازن قائم رہ سکتا ہے اور عدل پر آنچ نہیں آتی۔

امام ابو یوسف کے نو سال امام ابوحنیفہ کے ساتھ کٹے تھے وہ بھی اس حال میں کہ صرف رات میں سونے کے لئے وہ اپنے گھر جاتے تھے، ورنہ استاد ہی کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، ہارون رشید کی فرمائش پر انہوں نے ایک کتاب الخراج لکھی تھی اس لئے ہارون رشید ان کا بڑا احترام کرتا تھا، وہ آئے تو ہارون نے پوچھا کہ کیا آپ نے فضل کو گواہی دینے سے روک دیا، قاضی صاحب نے کہا ہاں! ایک بار میں نے سنا وہ آپ سے کہہ رہا تھا کہ آپ کا غلام ہے وہ اپنے قول میں سچا تھا تو غلام کی گواہی معتبر نہیں ہوتی اور اگر جھوٹا تھا تب بھی اس کی گواہی قبول نہیں کی جا سکتی، جو شخص آپ کے دربار میں بے باکی سے جھوٹ بول سکتا ہے وہ میرے سامنے کیوں کر باز رہے گا۔

مردانِ خدا خدا نباشند لیکن زخدا جُد انبا شند

اللہ کے نیک بندے خدا نہیں لیکن خدا سے جدا نہیں ہوتے، ان کی زبانوں سے حق ہی جاری ہوتا ہے، ہارون نے قاضی صاحب کی بات سنی تو معذرت کے ساتھ انہیں رخصت کردیا اور فضل وزیر اعظم ہونے کے باوجود منہ دیکھتا رہ گیا۔

داعی کی حیات اسلام کی حیات ہے: مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گذشتہ زمانے میں ایک بادشاہ تھا، اس کے یہاں ایک جادوگر تھا، جب جادوگر بوڑھا ہوا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری موت کا وقت قریب آ رہا ہے، مجھے کسی بچہ کو سونپ دو تو میں اسے جادو سکھا دوں، چنانچہ ایک ذہین لڑکے کو وہ تعلیم دینے لگا، لڑکا اس کے پاس جاتا تو راستہ میں ایک راہب کا گھر پڑتا جہاں وہ عبادت میں اور کبھی وعظ میں مشغول ہوتا، یہ لڑکا بھی کھڑا ہو جاتا اور اس کے طریق عبادت کو دیکھتا اور وعظ سنتا، آتے جاتے یہاں رک جایا کرتا تھا، ایک دن اس بچے نے راہب کے سامنے اپنی یہ شکایت بیان کی، راہب نے کہا کہ جب جادوگر تجھ سے پوچھے کہ کیوں دیر ہوگئی تو کہہ دینا کہ گھر والوں نے روک لیا تھا اور گھر والے بگڑیں تو کہہ دینا کہ آج جادوگر نے روک لیا تھا، یونہی ایک زمانہ گزر گیا کہ ایک طرف تو وہ جادو سیکھتا تھا، دوسری جانب کلام اللہ اور دین سیکھتا تھا۔

ایک دن یہ دیکھا کہ راستہ میں ایک زبردست ہیبت ناک جانور پڑا ہوا ہے، وہ لوگوں کی آمد و رفت بند کر رکھی ہے، اِدھر والے اُدھر والے اِدھر نہیں آ سکتے اور سب لوگ اِدھر اُدھر حیران و پریشان کھڑے ہیں، اس نے اپنے دل میں سوچا کہ آج موقع ہے کہ میں امتحان کرلوں کہ راہب کا دین خدا کو پسند ہے یا جادوگر کا، اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اس پر پھینکا کہ خدایا! اگر تیرے نزدیک راہب کا دین اور اس کی تعلیم جادوگر کے امر سے زیادہ محبوب ہے تو تو اس جانور کو اس پتھر سے ہلاک کردے، تاکہ لوگوں کو اس بلا سے نجات ملے، پتھر کے لگتے ہی وہ جانور مر گیا اور لوگوں کا آنا جانا شروع ہوگیا، پھر جا کر راہب کو خبر دی تو اس نے کہا: پیارے! تو مجھ سے افضل ہے، اب خدا کی طرف سے تیری آزمائش ہوگی اگر ایسا ہو تو کسی کو میری خبر نہ کرنا۔

اب اس بچہ کے پاس حاجت مند لوگوں کا تانتا لگ گیا اور اس کی دعا سے مادرزاد اندھے، کوڑھی، جذامی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے، بادشاہ کے ایک نابینا وزیر کے کان میں بھی یہ آواز پڑی، وہ بڑے تحفے تحائف لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تو مجھے شفا دے تو یہ سب میں تجھے دے دوں گا، اس نے کہا کہ شفا میرے ہاتھ میں نہیں، میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا، شفا دینے والا تو اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے، اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں، اس نے اقرار کیا، بچے نے اس کے لئے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی، وہ بادشاہ کے دربار میں آیا اور جس طرح اندھا ہونے سے پہلے کام کرتا تھا کرنے لگا اور آنکھیں بالکل روشن تھیں۔

بصرہ کے ایک عابد وزاہد تابعی: عامر بن عبدالقیسؒ کے وجود پر شہر بصرہ نازاں تھا، صرف بصرہ ہی میں نہیں بلکہ لوگوں کا خیال تھا کہ اس زمانہ میں وہ دنیا بھر کے عابد وزاہد لوگوں پر فائق ہیں، شوق وذوق کا ایسا غلبہ تھا کہ تمام رات ایک منٹ بھی کو نہیں سوتے تھے، فرائض اور دیگر وظائف کے علاوہ دن رات میں ہزار رکعتیں پڑھتے، کبھی قضا نہ ہوتی تھیں، بہت سے ظاہر بین خشک مزاج لوگ اُن کو دیوانہ سمجھیں گے کہ خدا نے رات سونے کے لئے بنائی ہے، دن کاروبار کے لئے، ہر دم نماز و وظائف میں لگے رہنا فطرۃ اللہ کے خلاف ہے، بعض کوتاہ نظر اہلِ علم ان پر مخالفت سنت کا الزام لگائیں گے کہ طریقۂ مسنون یہ ہے کہ رات کو آرام بھی کیا جائے اور عبادت بھی، کوئی کچھ کہے مگر یہ معذور تھے، اپنے اختیار اور قابو ہی میں نہ تھے کہ کسی قاعدے کی پابندی کریں، غلبۂ شوق نے ان کی نیند اُڑا دی تھی اور قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ حدیث) کی راحت نے تمام لذاتِ طبعی دل سے بھلا کر ایک طرف طبیعت لگا دی تھی: ’’ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون‘‘ (ہم نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ الذاریات: ۵۶) کی قدیم ندا اور بے مثل و بے ساز آواز ان کو مدہوش کر رہی تھی، بار بار فرماتے تھے کہ "بھذا امرت ولھذا خلقت" (مجھ کو یہی حکم دیا گیا ہے اور میں اسی کام کے لئے پیدا ہوا ہوں)

کسی نے پوچھا کہ جناب عامر ہم لوگوں کو اپنی مختصر نمازوں میں دنیا بھر کے خیالات گھیر لیتے ہیں آپ دن رات نماز میں رہتے ہیں آپ کو بھی کچھ خیال آتا ہے، کہا ہاں ضرور خیال آتا ہے، جب نماز شروع کرتا ہوں تو بروز قیامت خدا تعالیٰ کے سامنے بے کس و بے بس کھڑے ہونے کی حالت پیشِ نظر ہو جاتی ہے اور جب سلام پھیر کر نماز ختم کرتا ہوں تو وہاں سے واپسی کی صورت آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔

جب کسی لشکر میں شریک ہو جاتے تو اپنی طبیعت کے مناسب دو چار ساتھی منتخب کرکے یہ شرط کرکے ان کے ساتھ رہتے کہ میں تمہاری خدمت کیا کروں گا اور حتی الوسع تم پر اپنا مال خرچ کروں گا اور اذان میں دیا کروں گا، جب تک موافقت رہتی رفاقت میں بسر کرتے، جب ان باتوں میں سے کسی پر کوئی ساتھی ان سے جھگڑا یا مخالفت کرتا تو ناراض ہو جاتے اور اُن ساتھیوں کو چھوڑ دیتے، فرمایا کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی محبت کے لطف نے مجھ پر تمام مصیبتوں کو آسان کردیا ہے اور محبوبِ حقیقی کی مقدر کی ہوئی تمام باتوں پر مجھ کو رضامند کردیا ہے، کوئی بات ناگوار خاطر ہی نہیں ہوئی اور اس محبت کے مشغلہ میں مجھ کو پرواہ ہی نہیں ہوتی کہ کس حالت میں صبح ہوئی اور کیسی حالت میں شام، لوگوں کو اپنے اپنے کاروبار میں لگا ہوا دیکھتے، تو خدا تعالیٰ کی طرف عجز و نیاز سے متوجہ ہو کر عرض کرتے کہ اے میرے کارساز معبود سب لوگ اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کی تلاش میں پھر رہے ہیں، میں بھی اپنی حاجت لے کر تیرے دروازہ پر حاضر ہوا ہوں، میری بس ایک ہی حاجت ہے اس کو پورا فرما دے، وہ یہ کہ میری مغفرت فرما دے۔

ایسے مشاقانِ جمالِ حقیقی کو موت سے کیوں کر کراہت ہوتی وہ تو سمجھتے تھے کہ "الموت جسد یوصل الحبیب الی الحبیب" (موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست کی طرف پہنچا دیتا ہے) انتقال کا وقت ہوا تو بار بار یہ دعا پڑھتے تھے اور اسی پر خاتمہ ہوگیا: "اللّٰھم انی استغفرک من تقصیری وتفریطی واتوب الیک من جمیع ذنوبی لا الٰہ الا انت" (یا الٰہی تیری اطاعت و عبادت میں مجھ سے جو تقصیر اور کوتاہی ہوئی ہے اس کی معافی چاہتا ہوں اور تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے)۔

Scanned with CamScanner

رواداری کی تعلیمات

مولانا عزیر احمد مدنی

ہمارا ملک ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں مختلف مذاہب وادیان اور مختلف عقیدہ، فکر ونظر کے حامل لوگ، مختلف ثقافت وتہذیب اور مختلف زبان بولنے والے لوگ بستے ہیں، باہمی ارتباط، ہم آہنگی، بھائی چارہ اس ملک کی قدیم وراثت رہی ہے، بلاتفریق مذہب وملت سب ایک دوسرے کے ساتھ باہم مل کر امن وامان کے ساتھ رہتے رہے ہیں، سب اپنے دین ومذہب پر قائم رہ کر یکجہتی کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں اور اپنے آپ کو ہندوستانی کہلانے پر فخر محسوس کرتے رہے ہیں، علامہ اقبال کا یہ نغمہ ہم آج بھی گنگناتے ہیں۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا　　ہندی ہیں ہم وطن ہیں ہندوستاں ہمارا

اس ملک کا رشتہ اسلام اور اہلِ اسلام سے بہت پرانا ہے، پہلی صدی ہجری میں اسلام کی روشنی اس دیار میں پہنچی اور پھر رفتہ رفتہ اس کی قندیلیں روشن ہوتی رہیں اور شمع اسلام کے پروانے اس کے گرد جمع ہوتے رہے، متبعین اسلام نے ملک کے باسیوں کو ان کے حقوق دیے، عورتوں کی عفت وعصمت کی حفاظت کی، زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا، مسلم سلاطین نے صدیوں اس ملک میں حکمرانی کی، اسے اپنا وطن سمجھا اور حکومت وسیاست، علم وفن، صنعت وحرفت، زراعت وتجارت، تہذیب ومعاشرت ہر حیثیت سے اس کو ترقی دے کر صحیح معنوں میں ہندوستان کو جنت نشان بنایا، بقول شبلی نعمانی: ''گو مفتوح قوم اسے احسان نہ مانے لیکن در ودیوار سے شکر گزاری کی صدائیں آتی ہیں''۔ (اسلامی حکومت اور ہندوستان میں اس کا تمدنی اثر، ص:۲)

مگر بڑے کرب اور افسوس کی بات ہے کہ اب اس ملک کی ہم آہنگی، بھائی چارہ اور میل ملاپ کی وہ قدیم روایت اور وراثت ختم ہوتی محسوس ہو رہی ہے، یہ ملک بھی اب اکثریت اور اقلیت کے بھنور میں پھنس گیا، ملک کا ایک طبقہ ماضی کی مسلم حکومت کو اپنے لئے عار سمجھ کر موجودہ مسلمانوں سے اپنی خفت کا انتقام لینے کے درپے ہے اور اپنی قوت کے زعم میں اقلیت کے حقوق پر درپردہ قدغن لگانے کی فراق میں ہے۔

ان تمام پیچیدہ حالات کے باوجود پوری دنیا کا مسلمان اپنے اسلامی وصف صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتا ہے اور ملک کے مفاد میں ہمیشہ سوچتا رہتا ہے، ملک سے وفاداری کا عہد کرتا ہے اور پُرامن انداز میں آئینی طور پر اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن اس عہد وفاداری کے باوجود ملک میں نقضِ امن، انتشار وبدامنی، انتہا پسندی، دہشت گردی، ملک سے بے وفائی وغداری اور سالمیت میں رخنہ ڈالنے اور نقصان پہنچانے وغیرہ جیسے اتہامات اور اعمال بد اسی قوم اور فرد کے سر منڈھ دیا جاتا ہے۔

کسی بھی ملک کا استحکام ملک کے حکمرانوں میں ملک کے تئیں وفاداری، خلوص اور رعایا پروری کے جذبے کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا، حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملک اور رعایا کے مفاد کو پیش نظر رکھیں اور ملک کو ترقی کی راہ پر لے کر چلیں اور ملک میں قیام امن وامان کی ہر ممکن کوشش کریں، عدل وانصاف سے کام لیں، اس کے بغیر خوشحالی وترقی اور امن وامان کا تصور ممکن نہیں۔

بقائے باھم اور رواداری کی اساس: جیسا کہ گزر چکا کہ ہمارا ملک ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں مختلف عقیدہ وفکر کے حامل اور مختلف ادیان وملل کے لوگ آباد ہیں، ایسے مشترک ماحول میں پرامن معاشرے کی تشکیل کیسے ہو؟ قومی یکجہتی کو فروغ کیسے حاصل ہو؟ یہ اہم نکتہ ہے، بالخصوص عصر حاضر میں جبکہ مذہب اسلام پر آج پوری دنیا کی نگاہیں ٹیڑھی اور ترچھی ہیں اور زبانیں تلوار کی دھار سے تیز ہیں، ایسے ماحول میں جب ہم احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی سیرت طیبہ، اسلامی تاریخ اور خلفاء راشدین کے عہدِ زریں کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت اور نبیؐ نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان پُرامن معاشرے کی تشکیل کن اصولوں پر کی اور اسلامی اسٹیٹ کے زیرنگیں ذمیوں، غیر مسلموں کے ساتھ اسلام نے کس رواداری کا سلوک اور اس کا مظاہرہ کیا۔

یوں تو غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کی مثالیں اور واقعات سے اسلامی تواریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں، یہاں بطور نمونہ ایک جھلک پیش کی جاتی ہے جس سے واضح ہوسکے کہ رسول اللہؐ نے اس مخلوط آبادی میں پُرامن معاشرے کی تشکیل کن اُصولوں پر فرمائی جو ہمارے لئے باعثِ عبرت ونمونہ ہوسکے۔

۱ - مواطنت: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، وہاں کی آبادی مخلوط تھی، وہاں مختلف خیال وفکر اور دین وعقیدہ کے لوگوں کا سامنا تھا، مختلف قبائل آباد تھے، مختلف پیشے کے لوگ تھے، قریش کے مہاجرین، اوس وخزرج کے مسلمان بھی تھے، مزید یہود کے تین قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کے لوگ تھے، اہل یثرب کے آباد کردہ اعراب اور غلام وموالی بھی موجود تھے، موجودہ اصطلاح کے مطابق مخلوط معاشرہ تھا، آپؐ نے اس شہر مدینہ میں امن وسلامتی کا ماحول قائم کیا، عفو ودرگزر سے کام لیا، مدینہ منورہ میں موجود تمام مذاہب ومسالک کے ماننے والوں کے درمیان عدل وانصاف، باہمی تعاون اور ہم آہنگی پر زور دیا اور ایک تحریری دستور قلم بند کیا جو تاریخ میں میثاق مدینہ سے مشہور ہے۔

بلاشبہ انسان جہاں پیدا ہوتا ہے، سکونت اختیار کرتا ہے، پلتا بڑھتا جوان ہوتا ہے، اس وطن اور اس کی خاک سے محبت ایک فطری امر ہے، دنیا کے ہر خطے کے انسان کو اپنے وطن سے دلی لگاؤ ہوتا ہے، قلبی محبت ہوتی ہے، وہ اس کی ترقی، آن بان شان کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے اور اس کی حفاظت کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے اور مالی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کرتا، ہندوستانی مسلمانوں کو بھی اپنے وطن سے اسی قدر پیار اور محبت ہے جتنا کہ ہر ملک کے باشندے کو اپنے ملک سے ہونا چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے پیدائشی شہر مکہ سے بڑی الفت اور محبت تھی، چنانچہ ترمذی شریف کی ایک روایت میں آپؐ نے اپنی محبت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا: ''واللہ انک لخیر ارض اللہ واحب أرض اللہ الی اللہ، ولو لاأن أخرجت منک ماخرجت'' اللہ کی قسم! روئے زمین پر اللہ کے نزدیک سب سے بہتر اور محبوب سرزمین یہ مکہ کی زمین ہے، اگر مجھے یہاں سے نہ نکالا جاتا تو میں یہاں سے نہیں نکلتا۔ (سنن الترمذی: ۳۹۲۵)

ہاں اتنا ضرور ہے کہ ہم صاحب ایمان خاک وطن سے محبت بھرپور کرتے ہیں لیکن اسے اپنا معبود ومسجود نہیں سمجھتے، ہماری پیشانی اللہ وحدہ لاشریک لہ کے لئے سربسجود ہوتی ہے، وہی ہمارا معبود حقیقی اور مسجود ہے، اس کے سوا کسی بھی مخلوق کے لئے سجدہ ہم روا نہیں سمجھتے، یہ ہمارا ایمانی وصف اور خاصہ ہے۔

۲ - احترام آدمیت وانسانیت: اسلام کی نگاہ میں انسان محترم ومکرم ہے، خواہ اس کا دین وعقیدہ کچھ بھی ہو، سماج ومعاشرے میں اس کا مرتبہ ومقام جو بھی ہو، انسانیت کے شرف وکرم میں سب یکساں ہیں اور سب کے سب امن وشانتی اور سلامتی کے ساتھ یکساں زندگی گزارنے کا حق رکھتے ہیں، قرآن کریم ناطق ہے: ''یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور ان میں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی'' (اسراء:۷۰) نیز فرمایا: ''یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا'' (التین:۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کے احترام اور اس کی تکریم کی وضاحت اور صراحت حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے دیے گئے خطبے میں فرمائی اور پوری بشریت کو اس کی تلقین فرمائی، جس کا مفہوم یہ ہے: سارے انسان یکساں حیثیت رکھتے ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں، فرق ہے اور اعتبار ہے تو تقویٰ کا، بنی آدم میں معزز وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ فرمانبردار ہو ''ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم'' اس پیغام کے ذریعے رسول عربیؐ نے دنیا کے تمام لوگوں کو اپنا بھائی اور اپنے جیسا انسان سمجھنے کی تلقین کی، نسلی منافرت کو دور کیا، ایک دوسرے سے حسنِ سلوک کی تعلیم دی اور رواداری کا بنیادی اُصول دیا کہ ہم دوسری قوموں کے افراد کو اپنے جیسا ہی سمجھیں کیونکہ اسی وقت ہم ان سے رواداری اور حسن سلوک کا برتاؤ کر سکتے ہیں اور اگر ہم نے دوسروں کو کمتر، حقیر، اور ذلیل درجے کا انسان سمجھا تو پھر ان کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کا برتاؤ محال ہوگا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ احترام وتکریم صرف زندہ افراد کے ساتھ خاص نہیں کیا، بلکہ ایک مردہ غیر مسلم کے جنازے کے احترام میں قیام فرما کر کیا اور اپنے متبعین کو جنازہ دیکھ کر قیام کرنے کی تلقین فرمائی، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزارا گیا تو آپؐ اٹھ کر کھڑے ہوگئے، آپؐ سے کہا گیا کہ یہ یہودی کا جنازہ ہے تو فرمایا: ''ان الموت فزع، فاذا رأيتم الجنازة فقوموا'' (مسلم، جنائز: ۷۸۲)

۳- حریت آزادی ضمیر: معاشرے میں پُرامن ماحول قائم کرنے کے لئے آزادی کا ہونا بے انتہا ضروری ہے، حریت وآزادی انسانی تکریم کے مظاہر میں سے ایک اہم مظہر ہے، اسلام نے اسے انسان کا پیدائشی اور فطری حق سمجھا ہے، جبر وسختی کو ناجائز اور حرام بتایا ہے، اسلامی شریعت نے دینِ حق کے اختیار کے لئے کسی پر جبر واکراہ کی سخت ممانعت فرمائی ہے: ''لااکراہ فی الدين، قد تبين الرشد من الغي'' (البقرة: ۲۵۶) ''فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر'' (الكهف: ۲۹) ''انا هديناه السبيل اما شاكراً واما كفوراً'' (الانسان: ۳) زور وزبردستی اور جبر سے کسی کو مسلمان بنانے کو اسلام نے نہایت نفرت کی نظر سے دیکھا ہے، اسلام اپنے مخالفین پر ظلم وستم کو کبھی روا نہیں رکھا اور نہ ہی زبردستی ان کے حقوق پر قبضہ جمایا، بلکہ تمام کے حقوق کی رعایت کی۔

٤- عبادت گاھوں کا تحفظ اور مذھبی رواداری: اسلامی ریاست نے ذمیوں اور غیر مسلموں کو اپنے مذہب اور اعتقادات پر باقی رہنے اور اپنے مذہبی شعائر اور مذہبی مراسم کی ادائیگی کے لئے مکمل آزادی دی ہے، کسی کو اپنے دین وعقیدہ بدلنے پر مجبور نہیں کرتی، اسلامی حکومت ان کے پرسنل لا میں کوئی مداخلت نہیں کرتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل نجران سے صلح کیا، اس کی دفعات میں سے یہ بھی ہے: ''الاتهدم لهم بيعة ولايخرج لهم قس، ولايفتنوا عن دينهم مالم يحدثا حدثا او ياكلوا الربا'' (ابو داؤد، حديث: ۳۰۴۱، وسكت عنه)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء راشدین کا تعامل بھی اسی طرح کا رہا، چنانچہ خلیفہ اوّل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کفار کے مذہبی معاملات کے تعلق سے جو معاہدہ لکھا اس کے الفاظ کچھ یوں ہے: یعنی ان کی عبادت گاہوں، کنیسہ اور گرجا گھروں کو منہدم نہ کیا جائے، ان کا قلعہ مسمار نہ کیا جائے، جس سے وہ اپنے دشمنوں سے بچاؤ کرتے ہیں، ناقوس بجانے سے منع نہ کیا جائے اور ان کے صلیب سے جسے وہ اپنی عید اور خوشی کے مواقع پر نکالتے ہیں (کتاب الخراج لابی یوسف) ان ذمیوں کی بابت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے اور بلاد المسلمین میں یہود ونصاریٰ کے عبادت خانوں کا وجود شاہد عدل ہے، علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں: ''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کے لئے جو معاہدہ تحریر فرمایا اس کے اجزاء میں سے کچھ اجزاء اس طرح ہیں: یہ امان ہے، جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے اہل ایلیا کو دی ہے، یہ امان جان ومال، گرجا گھر، صلیب، تندرست وبیمار اور ان کے تمام اہلِ مذہب کے لئے ہے، نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کے احاطے کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کے صلیبوں اور ان کے مال میں کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا''۔ (الفاروق:۲/۱۳۷)

اس طرح عدل وانصاف، معاشرتی کفالت اور قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی۔

اس طرح کی اور بہت سی حیرت انگریز رعایتیں اسلام نے اپنے زیرنگیں غیر مسلم رعایا کو دی ہیں اور برتی ہیں، نیز جس وسعت وفیاضی کے ساتھ انہیں شہری حقوق دیے ہیں، ان کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کا جو برتاؤ کیا ہے، اس کی نظیر بلاشبہ اس دور تمدن وتہذیب میں نہیں ملتی، یہ رواداری اور یکجہتی کا سلوک اسلام کا امتیازی وصف ہے اور اس کی خصوصیت ہے، ایسی رواداری اور برتاؤ اپنی رعایا کے ساتھ اسلام سے پہلے یا بعد میں کسی سلطنت، حکومت یا بادشاہ کے دور حکومت میں نہیں ملتا، تاریخ کے صفحات ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں، کاش عصر کے حکمراں اسلام کی ان بیش بہا تعلیمات سے درسِ عبرت لیتے اور اپنی اپنی رعایا کو جوش حال اور اپنے ممالک کو پرسکون وپرامن بنا کر اچھی حکمرانی کے لیے داد وتحسین لیتے، رب دو جہاں اسلام کو سربلندی عطا فرمائے اور حکمرانوں کو راج دھرم نبھانے اور رعایا کی خدمت کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

Scanned with CamScanner

مسلم نوجوانوں کو دعوت اسلامی کے لئے تیار کیجئے

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب اعظمی ندوی

آج پوری دنیا میں بیداری کی لہر آچکی ہے، جابجا نوجوانوں کی تنظیمیں قائم ہوچکی ہیں، انہیں اپنی ذات کا شعور اور معاملات زندگی میں اپنی قدر و قیمت کا اندازہ ہونے لگا ہے، اور قوموں اور گروہوں کو تابناک مستقبل کی راہ پر گامزن کرنے کے سلسلہ میں وہ اپنے انتہائی اہم رول کو پہچاننے لگے ہیں۔ تمام انسانی طبقوں نے نوجوانوں کے مطلوبہ کردار کی طرف پوری توجہ مبذول کردی ہے اور اپنی عام اور خاص سرگرمیوں میں وہ جس توجہ کے مستحق ہیں اس میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کی ہے، اس کے لئے ''یوتھ ونگ (Youth Wing) کے تحت انہیں کام کے میدان فراہم ہو گئے ہیں۔ سیاسی پارٹیاں اور دینی تنظیمیں سب اس پہلو پر پوری توجہ صرف کررہی ہیں اور نوجوانوں کو کام کے میدانوں میں نکلنے اور اپنی قوتوں کے عام مصالح اور انسانی خدمات میں صرف کرنے کے مواقع فراہم کررہی ہیں، اس کی اہمیت خاص طور پر اس وقت بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ معاشرہ میں، زندگی کے ہر میدان میں مخلص کارکنوں کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس کے لئے نوجوانوں کے طبقہ میں حوصلہ افزائی کے وسائل اختیار کئے جاتے ہیں اور ان کی قوتوں کو اجتماعی زندگی کی تعمیر کرنے اور اسے امن و سلامتی ترقی اور قوت کے زندہ میدانوں کی طرف موڑنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

آج نوجوان ایک مستقل وحدت (permanent Unit) کی حیثیت سے نمایاں ہورہے ہیں اور بغیر کسی خوف وخطر کے ہر قسم کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ پورے اعتماد اور قوت کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں انجام دیں اور ان کی سرگرمیوں کے نتائج جلد حاصل ہوں اور ان کی قوم ان کی کوششوں کے ثمرات سے جلد متمتع ہو۔ وہ اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں اپنی اہلیت اور صلاحیت ثابت کرنا چاہتے ہیں، تاکہ انہیں اپنے وطن میں ایک طاقتور اور تعمیری فیکٹر (Factor) سمجھا جائے اور معاشرہ کے تنظیمی اور ادارتی ڈھانچے کا اہم جز گردانا جائے۔ یہاں تک کہ انسانی معاشروں اور خاص طور پر ترقی پذیر ممالک میں اب یہ عام رجحان بنتا چلا جارہا ہے کہ قیادت نوجوانوں کو سونپی جائے، خاص طور پر عوام توجوان قیادتوں پر اپنے اعتماد کا اظہار کررہے ہیں اور ملک کا نظام چلانے کے لئے نوجوان خون (young Blood) کا استعمال کررہے ہیں کیونکہ کمزور قیادتوں سے عوام کو بیشتر حالات میں تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑا ہے اور مستقبل کی تعمیر، امن وخوش حالی کے میدانوں میں ترقی اور ملک میں برپا ہونے والے مختلف مسائل کے سلسلہ میں ان سے وابستہ امیدیں پوری حل نہ ہوسکیں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ممالک جن سیاسی اور معاشرتی مسائل سے دوچار ہیں انہیں مطلوبہ سنجیدگی کے ساتھ حل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی بھی ملک کا نظام ایسی نازک صورت حال میں اپنی طبعی رفتار سے نہیں چل سکتا، بلکہ ایسے حالات کا رونما ہونا ضروری ہے جن سے عام بدگمانی پیدا ہو۔ یہی نہیں بلکہ اس صورت حال میں بسا اوقات ایسے حالات بھی پیدا ہوسکتے ہیں جنہیں ہم۔۔۔۔ معاشرتی یا سیاسی انقلاب سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی بھی ملک کے عوام جاہل اور سیاسی اور ثقافتی شعور سے بے بہرہ نہیں رہ سکتے۔ بلکہ سائنسی ترقی اور ثقافتی وسعت کی بدولت عوام کا شعور بیدار ہوگیا ہے، وہ خیر وشر کے پیمانوں کا ادراک کرنے لگے ہیں اور معاملات کو ان کی حقیقی پوزیشن میں سمجھنے لگے ہیں۔ اس لئے اگر وہ دشوار ترین مسائل کے حل اور ملک کی قیادت کے سلسلہ میں نوجواں سے اپنی امیدیں وابستہ کرنے لگیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔۔۔۔۔۔ نوجوانوں کی اس موجودہ لہر۔۔۔۔۔۔ جس کے آثار کا ہم ہر ملک اور ہر معاشرہ میں مشاہدہ کررہے ہیں کے دو محرک ہیں۔

پہلا محرک وہ تعلیمی نظام ہے جو تعلیم وتربیت کے مراکز اور دانش گاہوں میں رائج ہے۔ اس کے مضامین میں وہ چیزیں شامل ہیں جو طلبہ میں مثبت یا منفی طور پر مسائل سے دلچسپی لینے کی روح پیدا کرتی ہے اور اپنے مستقبل اور ملک کے مستقبل اور پھر پوری انسانیت کے مستقبل کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک حتمی اقدام کے طور پر زندگی کے مسائل کا حل ڈھونڈھنے میں دخل دینے کی رغبت پیدا کرتی ہے۔

دوسرا محرک جو نوجوانوں کو اپنی شخصیت تیار کرنے اور اہمیت محسوس کرنے پر اکساتا ہے وہ انسانی معاشرں کو مصائب و مسائل سے نجات دلانے اور امن وسعادت کے وسائل فراہم کرنے میں سیاسی اور معاشرتی قیادتوں کی ناکامی ہے، یہ بات ہر وہ شخص جانتا ہے جو معاملات کو حقیقی پیمانوں سے ناپتا ہے اور انہیں بغیر کسی مداہنت کے غیر جانبدارانہ نظر سے دیکھتا ہے۔

اب نوجوانوں کی تحریکیں صرف سیاسی اور سیکولر معاشرتی حلقوں تک ہی محدود نہیں رہ گئی ہیں، بلکہ دینی حلقوں اور اسلامی کاز کے میدانوں میں بھی بکثرت برپا ہوئی ہیں۔ مسلم نوجوان، یونیورسیٹیز، مدارس اور دوسرے میدانوں سے نکل کر اسلامی دعوت کے مہم میں حصہ لے رہے ہیں، اسلام کو ایک نظام زندگی، ایک ابدی پیغام اور انسانوں کی سعادت کے لئے ایک واضح راستہ کی حیثیت سے پیش کررہے ہیں اور اپنی ہمہ گیر سرگرمیوں کے ساتھ اس سلسلہ میں ممکنہ وسائل ثقافتی صلاحیتیں اور فنی مہارتیں استعمال کررہے ہیں جن سے علم، ذہانت اور عبقریت جھلکتی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں پائی جانے والی طلباء کی تنظیمیں تنظیموں کے فیڈریشن اور آرگنائزیشن اس حقیقت کی سب سے بڑی دلیل ہیں، اور صرف مادی تہذیبوں کے مراکز ہی میں ہمیں نوجوانوں میں دعوت وعمل کی سنجیدہ روح کی شہادتیں نہیں ملتی، بلکہ ٹھیک اسی روح اور طاقت کے ساتھ مشرق کے ترقی پذیر ممالک میں وہ اپنی مطلوبہ ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں اور ان کی جماعتیں اور تنظیمیں دعوت کے کام میں مطلوبہ حکمت عملی اور انفرادی واجتماعی حالات کی رعایت کے ساتھ ان کی مدد کرتی ہیں۔

واقعہ ہے کہ مسلم نوجوان جو اسلامی دعوت وفکر کے میدان میں اپنی ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے دعوت کے مدرسہ میں علماء اور داعیوں کے ہاتھوں تربیت پائی ہے، جنہوں نے نہایت اہتمام اور احساس ذمہ داری کے ساتھ ان کی اخلاقی و دینی تربیت کی ہے، دراصل وہ نتیجہ ہیں علماء کے اخلاص، قربانی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے مخلصانہ جدوجہد کا، روز اول سے آج تک نوجوانوں کی تربیت کرنے اور دین وعقیدہ اور حق کے راستے میں کام کے لئے تیار کرنے کا یہی ایک انداز رہا ہے۔ اسلام کے داعی اول نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے (جو رب العالمین کی طرف سے مبعوث تھے) صحابہ کی نوجوان نسل کی تربیت کی اور یہ سنہرا سلسلہ ان کے بعد بھی تاریخ کے کسی زمانے میں منقطع نہ ہوا اور یہ مقدس فریضہ وہ لوگ انجام دیتے رہے ہیں جو دین کے صحیح فہم اور دعوت کے کامیاب اسلوب کے جامع تھے۔ جب بھی دعوت کے میدان میں کام کرنے والے ظاہر ہوئے، انہوں نے اپنی توجہ نوجوانوں کی تربیت ورہنمائی پر مرکوز کردی، تاکہ اسلام کا کام ہر جگہ اور ہر زمانے میں ہوسکے۔ اس لئے اسلامی دعوت کسی بھی زمانے میں ایسے سرگرم نوجوانوں سے محروم نہیں رہی جو دعوت الی اللہ کا علم بلند کرنا اپنی زندگی کی سعادت سمجھتے ہوں اور اس راہ میں اپنی قیمتی متاع لٹا دینے میں بخل سے کام نہ لیتے ہوں۔

بعض داعیوں کو توفیق الٰہی سے اس میدان میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور ان کی دعوت اور کوششوں کے گرد ہوش مند مسلم نوجوانوں کی بڑی تعداد جمع ہوگئی، ماضی قریب میں تاریخ سید جمال الدین افغانی جیسے انقلابی مصلح کو فراموش نہیں کرسکتی، جنہوں نے اپنی خطابت کے سحر، اپنی دعوت کی جاذبیت اور مقصد سے خلوص اور کی وجہ سے اپنے گرد فتنہ کرلیا تھا اور ان میں دینی حمیت بھڑکا کر استعمار کے خلاف انقلاب برپا کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ صرف نظر اس کے کہ ان کی شخصیت اور ان کے عزائم کے بارے میں دوسری نئی تحقیق سامنے آئی ہے کہ وہ نوجوانوں کو ایسی فعال اور تحریکی قوت عطا نہ کرسکے جو عالمی پیمانے پر جاری رہ سکے اور انہیں اسلام کی دعوت انسانی معاشروں میں اعلائے کلمۃ اللہ اور باطل کے خلاف انقلاب اور طاغوت کے خلاف اعلان جنگ کے مقصد پر جمع کرسکے۔ لیکن اللہ نے ماضی قریب میں اس ذمہ داری کی انجام دہی کے لئے مصر میں امام حسن البنا کو مقدر فرمایا، انہوں نے اللہ کی توفیق اور اپنے تجرد واخلاص اور دعوت اسلامی کے لئے اپنے کو ہمہ تن وقف کرکے مسالک ونظریات کے اختلاف کے باوجود لوگوں کی توجہ اپنی دعوت کی طرف مبذول کرائی اور مسلم نوجوانوں کو دعوت کے عام کرنے اور اسلامی نظام کے قائم کرنے میں ان کی اہمیت کا احساس دلایا، ان کے گرد جو مسلم نوجوان جمع ہوئے انہوں نے ان کی تربیت پر پوری توجہ مرکوز کی، ان میں محبت اور عقیدہ کی نشونما کی، ایمان ویقین کا شعلہ بھڑکایا ان کے دلوں میں اسلام پر اعتماد اور پیغام الٰہی کے زندہ جاوید ہونے اور ہر زماں ومکان میں زندگی کا ساتھ دینے کی صلاحیت پر اعتماد کا بیج بو دیا اور اسلام کے دین فطرت ہونے کا عقیدہ راسخ کیا، اس طرح ان کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کا کام انجام دینے کے لئے نوجوانوں کی عظیم نسل نمودار ہوئی، جسے اللہ تعالی نے داعی کی صفات سے نوازا اور حکمت وموعظت کے وہ چشمے جاری کئے جو اس مہم میں اس کامیابی کے ضامن تھے۔ نوجوانوں کی یہ ممتاز نسل فضائل وکمالات کی حامل تھی۔ ایمان، اخلاص، تجرد، ورع، انابت، دنیا سے اعراض، آخرت کا شوق اور جنت کی نعمتوں کی تمنا کے جوہر سے آراستہ تھی اور اسے ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' اور ''دعوت الی اللہ'' کی ذمہ داریوں کا پورا شعور تھا۔ اس دعوتی تربیت کی تاثیر سلف سے خلف تک جاری رہی اور یہ میراث عصر حاضر کے مسلم نوجوانوں تک منتقل ہوئی جو عالم اسلامی اور دوسرے ممالک میں دعوت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ لیکن آج اسلام کا کام کرنے والے نوجوانوں کے لئے دعوتی قیادت کا فقدان ہے۔ اکثر حالات میں وہ اسلام کے بارے میں اپنے مخصوص مطالعہ اور دعوت کے مزاج، کام کے مواقع اور زمانہ کے تقاضوں کے بارے میں عام فہم پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس لئے طبعی طور پر بسا اوقات وہ مصالح کی رعایت اور حکمت کا لحاظ نہیں کرپاتے جس کی وجہ سے ان سے فیصلہ کرنے میں جلد بازی اور اپنے وقف پر بے جا اصرار کی علامتیں ظاہر ہوجاتی ہیں اور اس سے دعوت کے مصالح کو فائدہ پہنچنے کے بجائے الٹا نقصان ہوتا ہے اور حکمت دعوت کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

مسلم نوجوان، داعیوں، علماء اور تربیت کرنے والوں کے ہاتھوں ایک بیش بہا امانت ہے۔ متاع زیست میں گراں بہا حیثیت رکھتے ہیں، ان پر توجہ دینے اور اسلامی دعوت کے میدان میں ان کی صحیح رہنمائی کرنے کی سخت ضرورت ہے تاکہ وہ مسلمان داعی اور اسلامی معاشرہ کے باعزت افراد ہونے کی حیثیت سے مثالی نمونہ پیش کرسکیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے مسلم نوجوان جب خالص اسلامی صفات سے آراستہ ہوں گے، ان میں اخلاص، تجرد، جان ومال کی قربانی کی صفات پیدا ہوں گی۔ اسلام کے نظام حیات ہونے کا شعور، اس کے زندہ جاوید ہونے پر مکمل اطمینان اور اس کے زندگی کے ابدی پیغام ہونے پر کامل اعتماد پیدا ہوگا اور وہ تواضع اور خشیت الٰہی کا التزام کریں گے، ساتھ ہی ان کوششوں اور سرگرمیوں کی بھی قدر کریں گے جنہیں مسلمان اور ان کی جماعتیں اسلامی دعوت کے میدان میں انجام دیتی ہیں اور مسلکی اختلافات اور مختلف فیہ باتوں سے بھی بچیں گے، اور معاصی، نیز شرعی مخالفتوں اور ہر اس چیز سے دور رہیں گے جو رذائل سے ادنی بھی تعلق ہو۔ تبھی ہم اسلامی دعوت کے لئے مطلوبہ جونوان پاسکیں گے۔ ان کی سرگرمیوں پر اعتماد حاصل کرسکیں گے اور موجودہ زمانہ میں اسلامی دعوت کے راستے میں ان سے بڑی امیدیں وابستہ کرسکیں گے، اور مستقبل کے داعی کی حیثیت سے ان کو تیار کرسکیں گے۔ (وما ذلک علی اللہ بعزیز)

Scanned with CamScanner

اخبار جہاں

محمد اسعد اللہ قاسمی

تعلیم و روزگار

حج کی ادائیگی کے دوران ایک ہزار سے زائد افراد ہلاک

اس سال حج کی ادائیگی کے دوران سعودی عرب میں مرنے والے افراد کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز کرگئی، اعداد و شمار کے مطابق ان ہلاک شدگان میں سے نصف سے زیادہ غیر رجسٹر حجاج تھے، حج کے دوران رپورٹ ہونے والی نئی اموات میں مصر سے تعلق رکھنے والے 58 افراد شامل ہیں، اس طرح حج کی ادائیگی کے دوران انتقال کرنے والوں کی سب سے زیادہ 658 افراد کا تعلق مصر سے بتایا گیا ہے اور ان میں سے 630 غیر رجسٹر حجاج تھے، رواں برس حج کے دوران ب تک مجموعی طور پر 10 مما لک سے تعلق رکھنے والے 1,081 اموات کی اطلاع دی گئی ہے، یہ اعداد و شمار سرکاری بیانات اور مختلف مما لک کے سفارت کاروں کے ذریعے حاصل کیے گئے ہیں، حج اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے، جسے مالی اعتبار سے استطاعت رکھنے والے تمام مسلمانوں کے لیے اپنی زندگی میں کم از کم ایک بار مکمل کرنا ضروری ہے، اس سال دنیا بھر سے حج کے لیے سعودی عرب اکٹھے ہونے والے لاکھوں افراد کو شدید گرم موسم کا سامنا رہا، سعودی قومی موسمیاتی مرکز نے اس ہفتے مکہ کی گرینڈ مسجد میں درجہ حرارت 51.8 ڈگری سینٹی گریڈ (125 فارن ہائیٹ) کی اطلاع دی تھی، گزشتہ ماہ شائع ہونے والی سعودی تحقیق کے مطابق اس علاقے میں درجہ حرارت ہر دہائی میں 0.4 ڈگری سینٹی گریڈ بڑھ رہا ہے۔ (ایجنسی)

امریکی اراکین کانگریس کی دلائی لامہ سے ملاقات، چین ناراض

ریپبلکن اور ڈیموکریٹ اراکین کانگریس پر مشتمل امریکی رہنماؤں کے وفد نے کوہ ہمالہ کے دامن میں واقع بھارتی شہر دھرمشالہ میں تبتیوں کے روحانی پیشوا دلائی لامہ سے بدھ کے روز ملاقات کی، قبل ازیں دھرمشالہ پہنچنے پر وفد کا شاندار روایتی استقبال کیا گیا، یہ وفد دو روزہ دورے پر آیا ہے، وفد کی قیادت ریپبلکن لیڈر مائیکل میک کال کر رہے ہیں، جو ایوان میں خارجہ امور کمیٹی کے چیئر مین بھی ہیں، وفد میں ڈیموکریٹ رکن اور کانگریس کی سابق اسپیکر نینسی پلوسی بھی شامل ہیں، امریکی وفد نے تبت کی جلاوطن حکومت کے اراکین سے بھی ملاقات کی، میک کال نے نامہ نگاروں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ وہ دلائی لامہ کے ساتھ اپنی ملاقات میں دیگر موضوعات کے علاوہ 'ریزالوتبت ایکٹ' پر بھی بات کریں گے، امریکی کانگریس نے تبت کے مسئلے کے حل کے لیے چین پر دباؤ ڈالنے کے خاطر گزشتہ دنوں اس بل کو منظوری دی ہے اور اب اس پر صرف صدر بائیڈن کے دستخط ہونے باقی ہیں، تجزیہ کاروں کے مطابق امریکی کانگریس کے وفد کے اس دورے کا مقصد تبت کے لیے امریکی حمایت کو مزید مستحکم کرنا بھی ہے۔ (ڈی ڈبلیو)

اٹلی میں ہندوستانی مزدور کی المناک حادثاتی موت پر شدید غم وغصہ

اٹلی میں کام کرنے والے ایک بھارتی مزدور کی المناک حادثاتی موت پر شدید غم و غصے کا اظہار کیا جا رہا ہے، ستنام سنگھ کی موت ایک کھیت میں کام کے دوران شدید زخمی ہونے کے بعد زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے ہوئی، وہ مبینہ طور پر روم کے جنوب میں بورگو سانتا ماریا کے علاقے کے ایک کھیت میں کام کر رہے تھے، جب ایک مشینی حادثے کی وجہ سے ان کا ایک بازو کٹ گیا جب کہ دونوں ٹانگیں بھی کچلی گئیں، تفتیشی حکام کے مطابق اس حادثے کے بعد کھیت کا اطالوی مالک ستنام سنگھ کو فوری طور پر ہسپتال لے جانے کے بجائے انہیں واپس اپنی رہائش گاہ لے گیا، جہاں ان کا کٹا ہوا بازو پھلوں کی ایک پیٹی میں پایا گیا، ستنام سنگھ کی بیوی، جو حادثے کے وقت قریب ہی موجود تھیں، نے پولیس کو بتایا کہ انہوں نے کھیت کے مالک سے مدد کی درخواست کی تھی، انہوں نے کہا، ''میں نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ان (آجر) کی منت کی؛ لیکن وہ ہمیں گھر کے سامنے چھوڑ کر بھاگ گئے۔'' ستنام سنگھ مبینہ طور پر کھیتوں کو پلاسٹک کے ترپال سے ڈھانپنے کے لیے استعمال ہونی والی مشین پر کام کے دوران شدید زخمی ہو گئے تھے، حادثے کے ایک گھنٹے سے زیادہ دیر بعد ایمرجنسی سروسز کو کال کی، اس کے بعد اکتیس سالہ ستنام سنگھ کو بالآخر ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے روم کے ایک ہسپتال منتقل کیا گیا، جہاں وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے بدھ کے روز دم توڑ گئے، ستنام سنگھ مبینہ طور پر 2021ء سے اپنی بیوی کے ساتھ اٹلی میں رہائش پذیر تھے لیکن ان کے پاس کوئی سرکاری ورک پرمٹ نہیں تھا۔ (ڈی ڈبلیو)

اعــــلان مفقــود الخبــــری

معاملہ نمبر ۴۲/۱۱۲۵/۱۴۴۵ھ

(متدائرہ دارالقضاء امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کربلا ٹینک روڈ، رانچی)

رخسانہ پروین بنت عصم الدین انصاری مرحوم مقام پارٹا نز خضر ٹولہ ڈاک خانہ بوٹی تھانہ صدر ضلع رانچی۔ فریق اول

بنام

محمد سہراب خان عرف پرویز خان ابن محمد شمیم خان مرحوم مقام باہا ڈاک خانہ وتھانہ کوٹھی ضلع گیا، بہار۔ فریق ثانی

اطلاع بنام فریق دوم

معاملہ ہذا میں فریق اول نے آپ کے خلاف دارالقضاء امارت شرعیہ کربلا ٹینک روڈ رانچی میں عرصہ دو سال سے نان ونفقہ نیز دیگر حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی بنیاد پر فسخ نکاح کی درخواست داخل کیا ہے، لہٰذا اس اعلان کے ذریعہ آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں فوراً اپنی موجودگی کی اطلاع دیں اور تاریخ ساعت ۲۲؍ذی الحجہ ۱۴۴۵ھ مطابق ۳۰؍جون ۲۰۲۴ء روز اتوار کو خود مع گواہان وثبوت بہ وقت نو بجے دن دارالقضاء امارت شرعیہ کربلا ٹینک روڈ رانچی میں حاضر ہوکر رفع الزام کریں، آپ کو واضح کیا جاتا ہے کہ عدم حاضری وعدم پیروی کی صورت میں معاملہ ہذا کا تصفیہ کیا جا سکتا ہے۔ فقط۔ قاضی شریعت

پٹنہ ہائی کورٹ میں 80 عہدوں پر بحالی کے لئے درخواست مطلوب

پٹنہ ہائی کورٹ اشتہار نمبر PHC / 01 / 2024 کے ذریعہ ٹرانسلیٹر کے 60 عہدے اور پروف ریڈر کے 20 عہدے کل 80 عہدوں کے لئے درخواست طلب کی گئی ہیں، تعلیمی لیاقت کسی تسلیم شدہ یونیوسی انسٹی ٹیوٹ سے انگریزی میں گریجویٹ ڈگری ہو اور کسی تسلیم شدہ ادارے سے کمپیوٹر اپلیکیشن میں کم از کم چھ ماہ کا ڈپلومہ اور ہندی میں ٹائپنگ 20 کی رفتار کے ساتھ ہو درخواست فارم بھرنے کے اہل ہیں، قانون کی ڈگری رکھنے والے امیدواروں کو بھی ترجیح دی جائے گی، درخواست فارم بھرنے کیلئے پٹنہ ہائی کورٹ کے ویب سائٹ www.patnahighcourt.gov.in سے تفصیلی معلومات حاصل کرسکتے ہیں، فارم بھرنے کا عمل ۳۱؍مئی ۲۰۲۴ سے جاری ہے اور ۳۰؍جون ۲۰۲۴ء تک یہ عمل جاری رہے گا، امیدواروں کا سلیکشن تحریری امتحان کمپیوٹر ٹیسٹ اور انٹرویو کی بنیاد پر کیا جائے گا تحریری امتحان 3 گھنٹہ کا ہوگا جس میں 200 نمبروں کے سوالات ہوں گے، جس میں جنرل انگریزی، جنرل ہندی اور جنرل نالج سے سوالات پوچھے جائیں گے، اس میں کامیاب ہونے کے لئے کم از کم 40 فیصد سے پاس ہونا ضروری ہے، کمپیوٹر ٹیسٹ آدھے گھنٹہ کا ہوگا، اس میں ٹائپنگ، ایم۔ ایس ورڈ، ایکسل اور انٹرنیٹ سے 30 نمبروں کے سوال پوچھے جائیں گے، کمپیوٹر ٹیسٹ میں کامیاب امیدوار انٹرویو میں شامل ہوں گے، اس میں 25 نمبروں کا سوال پوچھا جائیگا، عمر کی حد 2024-01-01 کی بنیاد پر کی جائے گی ان عہدوں پر بحالی کے لئے جنرل امیدواروں کی عمر کی حد 18 سال سے 37 سال اور خواتین کے لئے 40 سال، BC، EBC (مرد و خواتین) امیدواروں کے لئے 40 سال اور ST / SC (مرد خواتین) امیدواروں کے لے 42 سال اور OH (Locomotor گا (Disabled امیدوارں کے لئے 47 سال مقرر ہے، امتحان کی فیس جنرل BC / EBC امیدواروں کے لئے 1100 روپیہ ہے اور OH / SC، ST امیدواروں کے لئے 550 روپئے ہے۔

سینئر ریذیڈنٹ کی 71 اسامیوں پر تقرریاں

ایمس، رشیکیش، اتراکھنڈ، سینئر رہائشی کے 71 عہدوں کے لئے درخواست مطلوب ہیں، درخواست کی فیس زمرہ کے لحاظ سے 500 سے 1200 روپے ہے جس کی ادائیگی آن لائن کرنا پڑے گا، معذور افراد کے لیے کوئی فیس نہیں ہے۔ آن لائن درخواست دینے کی آخری تاریخ: 01 جولائی 2024 ہے، ویب سائٹ: www.aiimsrishikesh.edu.in۔

انجینئر کے 10 عہدوں کے لیے درخواست دیں

IIT حیدرآباد میں AI / ML انجینئر کے 10 عہدوں کے لئے درخواست مطلوب ہے، آن لائن درخواست دینے کی آخری تاریخ 31 جولائی 2024 ہے، امیدواروں کے کسی بھی زمرے کے لیے کوئی فیس قابل ادائیگی نہیں ہے، ویب سائٹ: www.iith.ac.in، ای میل: coe@iith.ac.in?-ai-cpm

پٹنہ یونیورسٹی میں ایم اے اردو میں داخلہ کے لئے درخواستیں مطلوب

پٹنہ یونیورسٹی سے ایم۔ اے اردو میں داخلہ کے لئے درخواستیں آن لائن طلب کی گئی ہیں، صدر شعبہ اردو ڈاکٹر سورج دیو سنگھ نے یونیورسٹی کے ایک اعلان کے حوالے سے بتایا ہے کہ ایم۔ اے اردو میں داخلہ کے لئے ۲۰؍جون سے درخواستیں قبول کی جارہی ہیں، خواہش مند امیدوار جنہوں نے اردو مضمون میں بی۔ اے یا عالم آنرز مکمل کیا ہے، یا اردو مضمون کے ساتھ بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی ہے، وہ پٹنہ یونیورسٹی کے ویب سائٹ www.pup.ac.in پر جاکر دی گئی ہدایات کے مطابق درخواستیں جمع کر سکتے ہیں، درخواستیں جمع کرنے کی آخری تاریخ ۱۵؍جولائی ۲۰۲۴ء ہے، آن لائن درخواست کی ایک ہارڈ کاپی شعبہ اردو، پٹنہ یونیورسٹی میں بھی جمع کی جائے گی، ویسے امیدوار جنہوں نے فارسی، عربی، ہندی یا انگریزی آنرز کے ساتھ اردو بطور سبسیڈی رکھ کر 55 فیصد نمبرات کے ساتھ پاس کیا ہے یا بی اے، بی ایس سی، بی کام میں اردو کمپوزیشن کے ساتھ کامیابی حاصل کی ہے وہ بھی داخلہ کے لیے دراخواست دے سکتے ہیں، نیز بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، مولانا مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلما لکھنو اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے عالم کی سند حاصل کرنے والے امیدواروں کی بھی داخلہ درخواستیں قبول کی جائیں گی، درخواستیں جمع کرنے کی آخری تاریخ ۱۵؍جولائی ۲۰۲۴ ہے، مزید معلومات کے لئے پٹنہ یونیورسٹی کی ویب سائٹ یا شعبہ اردو کے دفتر انچارج جناب اجے کمار سنگھ سے ملیں یا موبائل نمبر 9470704242، 7050234849 پر رابطہ کرسکتے ہیں۔

اعلان داخلہ

مولانا منت اللہ رحمانی میموریل ٹیکنیکل انسٹی چیوٹ (ITI) ایف سی آئی روڈ، پھلواری شریف پٹنہ میں درج ذیل دوسالہ ٹریڈ کے سال 2024 میں داخلہ کے لئے میٹرک پاس طلبہ حسب ذیل نمبرات پر رابطہ کر سکتے ہیں: (۱) الیکٹرونکس (۲) فیٹر (۳) ڈرافٹسمین سول (۴) الیکٹریشین (۵) ریفریجریشن اینڈ ائیر کنڈیشننگ (۶) پلمبر (ایک سال)

رابطہ کے لئے نمبرات:

9570971277, 9304924575

Scanned with CamScanner

ارتداد کے سدباب کے لئے مکاتب کا قیام ضروری

علاقہ بھوانی پور ضلع پورنیہ میں علماء امارت شرعیہ کا بصیرت افروز خطاب

مولانا مفتی محمد سہراب ندوی

اس وقت امارت شرعیہ کا دعوتی وتنظیمی دورۂ وفد علاقہ بھوانی پور ضلع پورنیہ میں حضرت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی مدظلہ امیر شریعت بہار،اڈیشہ وجھارکھنڈ کی ہدایت پر رواں دواں ہے، جوان شاءاللہ ۱۲ر جون ۲۰۲۴ء کو جامع مسجد رگھونش نگر میں آخری پروگرام کے بعد اختتام پذیر ہوجائے گا،موجودہ دور میں بے حیائی اور بے دینی عام ہے،فتنہ کا زمانہ ہے، جوان بچے اور بچیاں ارتداد کے شکار ہیں،ایسی صورت میں ضروری ہے کہ مکاتب قرآنیہ کے نظام کو استحکام بخشا جائے،ان باتوں کا اظہار قائدوفد جناب مولانا قمرانیس قاسمی معاون ناظم امارت شرعیہ نے میرگنج کی جامع مسجد میں اپنے پرزور خطاب میں کیا اور سامعین سے عہدو پیمان لیا کہ ہم ہرحال میں مکاتب کے نظام کو قائم کریں گے اوراس کی سرپرستی امارت شرعیہ کرے گی،اسی طرح مولانا مفتی محمد ارشد قاسمی قاضی شریعت دارالقضاء امارت شرعیہ مادھوپاڑہ پورنیہ نے کہا کہ اولاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی نعمت ہے،اولاد کی قدر کیجئے اوراس کی تعلیم وتربیت کی فکر کیجئے،اگراولاد کی دینی تربیت نہیں کریں گے تو آگے چل کر وہ آپ کے لئے فتنہ ثابت ہوجائے گا،اولاد کی ذہنی وروحانی تربیت کے لئے ضروری ہے کہ اس کو اولاً دینی تعلیم دیں اورآگے چل کر اپنی وسعت کے مطابق ہروہ تعلیم دیں جو اس کی دنیا وآخرت دونوں کو سنواردے۔مولانا مفتی مجیب الرحمٰن قاسمی معاون قاضی شریعت مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ نے اپنے بلیغ خطاب میں کہا کہ وحدت واجتماعیت کو ہرحال میں باقی رکھیں اورآپسی اختلاف وانتشار سے اپنے آپ کو اورسماج کو پاک رکھیں،آج باہمی اختلاف نے سماج کے ماحول کو پراگندہ کردیا ہے، اگر اختلاف ہوجائے تو اپنے معاملات کو اسلامی طریقہ سے دارالقضاء بھوانی پور سے حل کرائیں،دارالقضاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین وکبار صحابہ نے دارالقضاء میں بیٹھ کر لوگوں کے معاملات کو حل فرمایا،اس ذیل میں آپ نے کئی مثالیں پیش کیں۔مولانا مفتی نیر اسلام قاسمی استاد حدیث دارالعلوم الاسلامیہ امارت شرعیہ نے اصلاح نفس پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اپنے آپ کی اصلاح کے لئے اہل اللہ سے تعلق بے حد ضروری ہے، اس لئے کہ اس سے دل صاف ہوگا اوراللہ کا تقرب حاصل ہوگا۔مولانا مفتی سیف اللہ قاسمی قاضی شریعت دارالقضاء بھوانی پور پورنیہ نے اصلاح معاشرہ کے عنوان سے تفصیلی خطاب میں کہا کہ آج جوا،شراب نوشی ،شادی بیاہ میں فضول خرچی عام ہے،ان برائیوں نے سماج میں زہر گھول کر رکھ دیا ہے، یہ ایسی برائیاں ہیں جس کی ممانعت قرآن واحادیث میں آئی ہے،شراب نوشی سے فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے،اس کو روکنے کے لئے علماء کے علاوہ سماج کے بااثر لوگ آگے آئیں،آج جہیز کے نام پر فضول خرچی عام ہے،اس سلسلے میں وراثت کے نظام کو عام کیجئے! مولانا عمر فاروق قاسمی استاذ جامعہ خلفائے راشدین پورنیہ نے کہا کہ قرآن کریم میں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب آئی ہے،لہذا آپ زکوہ وصدقات کے علاوہ عشرہ وغیرہ نکالئے ،اس سے مال میں برکت آئے گی اور قحط سالی دور ہوگی۔مولانا محمد نوشاد عالم مظاہری مبلغ امارت شرعیہ نے امارت شرعیہ اورارکان وفد کا تعارف کرایا اور نظامت کے فرائض انجام دیئے،مولانا محمد عباس مظاہری مبلغ امارت شرعیہ پروگرام کو کامیاب مؤثر بنانے میں اہم کردار ادا کئے،میرگنج کے علاوہ دین پورہ، دھمداہا اور مدرسہ تعلیم القرآن جاوے میں پروگرام ہوا، تادم تحریر پروگرام جاری ہے، اللہ تعالیٰ اس پروگرام کو کامیابی سے ہمکنار کرے۔آمین۔

دار القضاء - ضرورت، پس منظر

مولانا قاضی شیخ محمود رشادی

اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنے کا نام اسلام ہے، دنیا کی تمام چیزیں مثلاً سورج، چاند، ستارے، سیارے شجر، حجر، دریا وغیرہ احکام الٰہی کے پابند ہیں اوراس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرسکتے۔ صرف انسان کو اس کائنات میں اختیار کی آزادی دی گئی ہے کہ چاہے تو احکامات شرعیہ پر زندگی گزارے یا چاہے تو نفسانی خواہشات پر۔ دونوں راستوں کا انجام اور نتیجہ الگ الگ ہے، شرعی احکامات پر زندگی گزارنے والوں کو دنیوی انعامات اور اخروی اجر وثواب سے نوازا جائے گا۔ نفسانی خواہشات پر زندگی گزارنے والوں کو سزا اورعذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔وسیق الذین کفروا الی جھنم زمرۃ (سورہ زمرآیت 71)اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ درگروہ بنا کر پھینکے جاویں گے وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرا (سورہ زمرآیت 73)اور جولوگ خدا سے ڈرے تھے وہ گروہ درگروہ بنا کر جنت کی طرف روانہ کیے جائیں گے۔کسی چیز پر اختیار چیز والے کو ہوتا ہے،دوسرے کو نہیں،مکان میرا ہو اور رہن سہن کا اختیار آپ کو ہو،اسے کوئی سمجھدار ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ملازم آپ کا ہو اوراس پر اختیار میرا چلے،یہ آپ کے لئے باعث شرم اور میرے لئے موجب ظلم ہوگا۔ جب کسی چیز کی نسبت آپ کی طرف ہوگی تو پھر وہ چیز آپ کے قبضہ اور بس میں ہوگی یعنی کسی چیز کا حکم دینے کے لئے اختیار اورحق کا ہونا ضروری ہے۔ان دونوں کے بغیر حکم دینا غیر معتبر اور مہمل ہوگا۔اسی لئے قرآن کریم میں ہے:الا لہ الخلق والامر (اعراف 54)یادرکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا آمر ہونا،ظاہر ہے کہ جب خلق اس خالق کے لئے ہے تو حکم دوسرے کے لئے کیونکر ہوسکتا ہے۔ولا یشرک فی حکمہ احدا خدا کی ملک میں خدا کی خلق پر کسی دوسرے کا نہ حکم چل سکتا ہے نہ امر جاری ہوسکتا ہے۔رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھوائھم (مائدہ 48) آپ ان کے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے کیجئے اوران کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آپ کی لائی ہوئی شریعت اورآپ کا دین آپ کے قائم مقام ہے،پس اب قانون شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے والا قاضی ہی قاضی کہلانے کا مستحق ہے۔ بلکہ قضاء کے معنی ہیں یہ ہیں کہ لوگوں کے درمیان حق اور اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔

ہندوستان میں قضاء کی ضرورت: ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد اکابر علماء کو نظام امارت اور نظام قضاء کے قیام کی ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگی،حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی 1239ھ مطابق 1823ء وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے انگریزی تسلط کے بعد ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتوی جاری کیا نیز اس بات پر بھی اپنے فتوی میں زور دیا کہ ہر علاقے کے مسلمان اپنا امیر مقرر کرلیں اوراسی کی ماتحتی میں رہ کر وہ تمام اجتماعی کام انجام دیں جو امیر وقاضی کے بغیر انجام پا نہیں سکتے (مجموع فتاویٰ عزیزی ص 34)۔

علامہ انور شاہ کشمیری (متوفی 1352ھ م 1933ء) نے جمعیۃ العلماء کے اجلاس ہشتم دسمبر 1927ء میں تحریر فرمایا تھا ’’آج اگر اعداد وشمار سے کام لیا جائے اور نظر تدقیق وتفتیش سے دیکھا جائے تو ہندوستان میں ایسی عورتوں کی تعداد جو اپنے خاوندوں کے ظلم وستم کا تختہ مشق بنی ہوئی ہیں یا خاوندوں کے مفقود اور لاپتہ ہوجانے کی وجہ سے نان شبینہ کی محتاج ہیں یا ظالم شوہروں نے ان کو معلق بنا کر چھوڑ رکھا ہے، لاکھوں تک پہنچتی ہیں۔ایسی مظلوم عورتیں جب کسی طرح اپنے خاوندوں کے ظلم وستم سے خلاصی حاصل نہیں کرسکتیں تو وہ بے بسی اور بے کسی کے عالم میں بدحواس ہوکر ارتداد کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں اس قسم کے دلخراش اور ناگفتہ بہ کتنے ہی کیس ہوچکے ہیں اور مسلمانوں کی بدقسمتی سے ان میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ایک مسلمان کا مرتد ہوجانا بھی مسلمانوں کے لئے مصیبت کبری ہے پھر بالخصوص عورتوں کا ارتداد معاذ اللہ، معاذ اللہ نہایت ہی سخت مہلک ہے، خدا نہ کرے عورتوں میں اس قسم کی ارتداد کی تحریک سرایت کرے، کیونکہ ان کی مذہبی ناواقفیت اورفطری کم عقلی خدا جانے کیا رنگ لائے گی اور مسلم قومیت کو کس قدر تباہی اور بربادی کے قریب کردے گی، دردمند مسلمانوں کا اس وقت سب سے بڑا فریضہ ہے کہ وہ ان بے کس مظلوم عورتوں کی گلوخلاصی کا پہلی فرصت میں سامان کریں اوراس کی ایک ہی سبیل ہے کہ محکمہ قضاء قائم کرانے کی کوشش کریں جن میں ان بے چاروں کے مصائب کا علاج کرے۔

ہندوستان میں نظام قضاء: جب مسلمان تاجروں نے ہندوستان کے مغربی ساحل اور جنوب میں قدم رکھا تو اپنی نوآبادیاں قائم کیں،اس وقت ان کی تعداد بہت کم تھی ،باوجود اس کے انھوں نے اپنی بستیوں میں نظام قضاء قائم کیا، اس وقت کے ہندو راجاؤں نے مذہبی رواداری کا ثبوت دیتے ہوئے مسلمان قاضیوں کی قانونی حیثیت کو قبول کیا پھر جب مسلم سلاطین نے سرزمین ہند کو فتح کیا تو اپنے زیر اقتدار علاقوں میں اسلام کا نظام عدل نافذ کیا۔مغلیہ سلطنت میں نظام قضاء اپنی آن بان کے ساتھ قائم تھا۔اس سے علم کی روشنی پھیلی اورعوام کو عدل وانصاف بھی ملا، آخر میں مغل حکمرانوں نے زوال کے وقت جب اپنے اختیارات ایسٹ انڈیا کمپنی کو منتقل کرایا تو انگریزوں نے آہستہ آہستہ محکمہ قضا ختم کردیا اور مسلمانوں کے معاشرتی معاملات کو عام عدالتوں کے حوالے کردیا۔

1892ء میں انگریزوں نے اسلامی تحریرات کو منسوخ کرکے تعزیرات ہند کو نافذ کیا پھر 1864ء سے مسلمان قاضیوں کی تقرری پر روک لگادی، 1872ء میں اسلامی قانون شہادت کو بھی ختم کردیا گیا اس طرح عدالتی نظام کو غیر اسلامی بنیادوں پر استوار کیا گیا، دوسری طرف مسلمانوں نے اسلامی قوانین کی بحالی کی جدوجہد جاری رکھی، بالآخر 1937ء میں مرکزی مجلس قانون ساز کے مسلم اراکین کی کوششوں سے شریعت اپلیکیشن ایکٹ منظور ہوا، جس کا خلاصہ یہ کہ وراثت، نکاح، خلع ،طلاق ،فسخ نکاح، ایلاء، ظہار، نان نفقہ،مہر،شہادت نسب، امانت ، جائیداد، حق شفعہ، ہبہ اوراوقاف کے معاملات میں مسلمان لازمی طور پر مسلم پرسنل لاء کے تابع ہوں گے،اس دفعہ پر عمل ہوتا رہا مگر انگریزوں نے نفرت کی جو بیج یہاں بوئی وہ آہستہ آہستہ تناور ہوتا گیا اور بالآخر بی جے پی برسراقتدار ہوئی اور مسلم پرسنل لا پر حملے کرنے لگی،موجودہ حالات ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بہت نازک ہیں، ان نازک حالات میں تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ اسلام دشمن سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے بھرپور جدوجہد کریں۔

دوکام کرنے کے ہیں: اول مسلم معاشرہ کی اصلاح کے لئے بھرپور جدوجہد کی جائے کیونکہ ہمارے سماج کا ایک بڑا حصہ اسلامی تعلیمات واحکامات سے ناواقف ہے، خاندان کے افراد، بیوی، شوہر، اولاد، والدین اور دیگر رشتہ دار صحیح طریقہ سے ایک دوسرے کے حقوق ادا نہیں کرتے ،جس کی وجہ سے آپس میں تلخیاں اورتنازعات سر ابھارتے ہیں، معاملہ سرکاری عدالت میں چارہ جوئی تک جا پہنچتا ہے اور ملکی عدالتوں سے ایسے فیصلے صادر ہوتے ہیں، جو شریعت کے سراسر خلاف ہوتے ہیں،ضرورت ہے کہ مسلم عوام کو اسلام کی بنیادی معاشرتی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے اور عائلی زندگی کے متعلق اسلامی احکام ان کے سامنے پیش کئے جائیں۔

دوم یہ کہ ہر شہر اور علاقے میں دارالقضاء قائم کی جائے تاکہ اگر مسلمانوں کے درمیان عائلی اور دیگر معاملات میں تنازعات ابھریں تو بجائے کورٹوں میں جانے کے دارالقضاء میں لے جائیں اور وہاں سے جو فیصلے ہوں، بہ خوشی قبول کریں؛ کیونکہ کم وقت میں کم خرچ میں دارالقضاء سے صحیح شرعی فیصلہ مل جاتا ہے۔سب سے بڑی خوبی یہ کہ دونوں فریق کے درمیان جو نفرت یا عداوت ہے وہ بھی ختم ہوجاتی ہے۔

Scanned with CamScanner

بھارت کی مٹی میں محبت ہے نفرت نہیں

پروفیسر مشتاق احمد

دنیا میں جتنی بھی نظامِ حکومت ہے اس میں جمہوریت کو نہ صرف قبولیت ہے بلکہ جہاں کہیں جمہوری طرزِ حکومت نہیں ہے وہاں کے لوگ بھی اس کو حاصل کرنے کے لئے جدو جہد میں مصروف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوریت کے لئے دنیا کے کسی نہ کسی خطے میں آواز بلند ہوتی رہتی ہے۔ہاں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس طرزِ حکومت میں کچھ ایسی خامیاں ہیں کہ جس کی وجہ سے کبھی کبھی اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑتا ہے کہ اس طرزِ حکومت میں بندوں کو تولا نہیں جاتا بلکہ اس کے اعداد وشمار کی بنیاد پر فیصلے ہوتے ہیں۔یہ مثل مشہور ہے کہ جمہوریت میں 49 کی حیثیت صفر ہے اور 51 کی حیثیت سو کی ہو جاتی ہے کہ 49 ووٹ لا کر بھی کوئی امیدوار نا کام ہو جاتا ہے اور 51 ووٹ کی بدولت برسر اقتدار ہو جاتا ہے۔یہی ایک معمہ ہے کہ محض دو ووٹ کے فاصلے سے جمہوریت کی تقدیر بدل جاتی ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ جمہوریت میں ہر شہری کا سنجیدہ ہونا لازمی ہے کہ جمہوریت جذباتیت کو پسند نہیں کرتی۔ ہماری جمہوریت پوری دنیا کے لئے ایک مثالی جمہوریت اس لئے ہے کہ یہاں کسی بھی آمر کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جب کبھی کسی نے ہماری جمہوریت کے تانے بانے کو بکھیرنے کی کوشش کی تو نہ صرف وہ نا کام رہے بلکہ ان جیسے آمریت پسند کے بھی ہوش ٹھکانے آ گئے جو اس کی راہ پر چلنے کا منصوبہ رکھتے تھے۔اس بار کے پارلیامانی انتخابات کے نتائج نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ ہماری جمہوریت کی جڑیں کتنی مستحکم ہیں اور یہاں کے عوام کے دلوں میں جمہوری قدروں کی پاسداری کے لئے کس قدر مر مٹنے کا جذبہ ہے، واضح ہو کہ حالیہ پارلیامانی انتخابات کے نتائج نے صاف طور پر کسی بھی سیاسی جماعت کو اکثریت نہیں دی ہے۔ایک طرف برسرِ اقتدار پارٹی اکثریت کے نشانے کو پانے میں نا کام رہی ہے تو دوسری طرف اپوزیشن کو بھی حکومت سازی کا موقع نہیں دیا ہے؛ البتہ انتخابی عمل سے قبل تشکیل شدہ قومی جمہوری اتحاد کو اکثریت حاصل ہوئی ہے اور اپوزیشن ''انڈیا'' اتحاد بھی ایک مضبوط اپوزیشن کے طور پر ابھر کر سامنے آئی ہے، ظاہر ہے کہ اس پارلیامانی انتخاب کو جس نہج پر لڑا گیا وہ کسی طور پر بھی جمہوری ضابطے کے مطابق نہیں تھا کہ برسر اقتدار پارٹی نے ملک میں مذہبی منافرت بالخصوص مسلم اقلیت کے خلاف جس طرح کی اشتعال انگیزی کو فروغ دیا وہ نہ صرف ایک خاص طبقے کے لئے مضر تھا؛ بلکہ جمہوریت کے لئے بھی خسارہ عظیم ثابت ہو سکتا تھا، مگر اس ملک کی مٹی اور آب و ہوا ہی کچھ ایسی ہے کہ وہ کسی بھی آمر کے غیر جمہوری فعل کو قبول نہیں کرتی اور ملک کی سالمیت کے شیرازہ کو پارہ پارہ نہیں ہونے دیتی، اس لئے اس پارلیامانی انتخابات کے نتائج نے ان تمام جیالوں کو تازگی نوبخشی ہے جو اپنی مثالی جمہوریت کا پرچم بلند کرنے کی خاطر اپنی جان کو ہتھیلی پر لے کر آگے بڑھے اور طوفانوں کی زد میں رہ کر بھی چراغِ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو روشن کیا۔

> ''تمام سیاسی جماعتوں کو اس انتخابی نتائج پر غور وفکر صرف اس لئے نہیں کرنا چاهئے کہ اقتدر کسے حاصل ہوا اور کسے نہیں بلکہ اس لئے بھی سوچنا ضروری ہے کہ جمہوریت کی پاسداری کے لئے کیا کچھ کیا جانا چاہئے۔ ہمارا ملک جغرافیائی اعتبار سے بھی مختلف حصوں میں تقسیم ہے۔ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب کے عوام الناس کے کھان پان، لباس، رسم ورواج اور زبان بھی مختلف ہیں اور یہی کثرت میں وحدت ہماری شناخت کا ضامن بھی ہے''

واضح ہو کہ اس انتخابی نتائج نے برسر اقتدار جماعت کو یہ باور کرا دیا کہ اس ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور محبت کی دکان کبھی بند نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ اتر پردیش میں ایودھیا سے برسر اقتدار پارٹی کے امیدوار کا ہار جانا اور پھر پوری ریاست میں متھورا، کاشی کے نام پر اشتعال انگیز ماحول بنانے کے باوجود اگر اس جماعت کو ریاست کی اکثریت عوام نے رد کیا تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس ملک کے ذرے ذرے میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی چمک موجود ہے اور وہ کسی بھی تاریکی کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔اس نتائج نے یہ بھی پیغام دینے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے وطنِ عزیز ہندوستان میں کسی غیر جمہوری سیاسی لیڈر کو قومی ذرائع ابلاغ کی یک طرفہ حمایت اور زہر فشانی کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے صنعت کاروں کی پشت پناہی بھی ایک آمر کے طور پر پاؤں جمانے نہیں دیتی۔ یہ حقیقت بھی جگ ظاہر ہے کہ کس طرح ایک دہائی میں آئینی اداروں کو فالج زدہ بنایا گیا اور جمہوری قدروں کی پامالی کی گئی، باوجود اس کے انصاف پسند عوام الناس نے اپنی جمہوریت کے پرچم کو سرنگوں ہونے نہیں دیا اور آج پوری دنیا میں ہماری جمہوریت کی قصیدہ خوانی ہو رہی ہے اور یہاں کے لوگوں کا سر فخر سے بلند ہوا ہے۔اس انتخابی نتائج نے یہ بھی سبق دیا ہے کہ کوئی بھی برسر اقتدار جماعت عوامی مسائل کو اپنے جھوٹ اور مکر و فریب کے ذریعہ بہت دنوں تک بالائے طاق رکھ کر حکومت پر قابض نہیں رہ سکتی کیوں کہ پیٹ کی آگ برف کے تودے کو جلاتی تو نہیں لیکن اسے پگھلا کر اس کے وجود کو ختم ضرور کر دیتی ہے۔اس لئے شاید اب اس ملک میں جو بھی سیاسی جماعت اقتدار میں آئے گی وہ اس انتخاب کے نتائج سے سبق ضرور لے گی کہ یہاں کی زمین کسی بھی آمر کے لئے بہت سخت ہے۔

جہاں تک اپوزیشن کا سوال ہے تو اسے بھی اس پارلیامانی انتخابات کے نتائج نے کئی سبق دیا ہے کہ اگر اپوزیشن اتحاد اپنے تمام تر ذہنی تعصبات وتحفظات اور سیاسی مفاد سے اوپر اٹھ کر صرف اور صرف جمہوریت کی پاسداری اور عوامی مسائل کے حل کے لئے سر جوڑ کر آگے بڑھتی ہے تو اس کے حصے میں بھی کامیابی آتی ہے۔کاش ریاست بہار میں اپوزیشن اتحاد اس انتخاب کے تقاضوں کو سمجھ پاتی اور کانگریس بھی بہار کی سیاست کو سنجیدگی سے لیتی تو بہار کا نتیجہ بھی کچھ اور ہوتا۔واضح ہو کہ بہار میں ذات شماری کے بعد یہ حقیقت سامنے آ چکی تھی کہ کس ذات کا کتنا فیصد ہے اور وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھی کہ بہار میں ذات پات کی سیاست کی زمین کتنی زرخیز ہے۔لیکن یہ جانتے ہوئے کہ بہار میں پسماندہ اور انتہائی پسماندہ طبقے کی غیر معمولی سیاسی اہمیت ہے، کانگریس نے اپنے تنظیمی ڈھانچے میں تبدیلی نہیں کی اور ایک ایسے طبقے کے ہاتھوں میں کمان تھمائے رکھا جس طبقے کا ووٹ کانگریس کو برسوں سے نہیں مل رہا ہے۔اگر کانگریس اپنے تنظیمی ڈھانچوں میں تبدیلی کئے ہوتی اور ریاستی کانگریس کی کمان کسی دلت یا انتہائی پسماندہ طبقے کے ہاتھوں میں دی ہوتی تو شاید بہار کا سیاسی منظر نامہ کچھ اور ہوتا۔ اتنا ہی نہیں ٹکٹ کی تقسیم میں تو ایسا لگا کہ کانگریس کو جو ٹکٹ ملا ہے اس میں چار پانچ ایسے امیدوار ہیں جن کی حیثیت ڈمی کی ہے۔مظفر پور میں کانگریس نے ایک ایسے امیدوار کو ٹکٹ دیا جس نے انتخابی اعلان کے بعد کانگریس کا دامن تھاما تھا کہ وہ گذشتہ دو انتخاب میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے ٹکٹ پر منتخب ہوا تھا۔اسی طرح سمستی پور میں جس کو کانگریس نے ٹکٹ دیا وہ بھی نو وارد تھا۔راشٹریہ جنتا دل نے بھی مکیش سہنی کے ساتھ یہ جانتے ہوئے ہاتھ ملایا کہ ریاست میں سہنی برادری کے کئی وزرا ہیں اور وہ مرکز کی برسر اقتدار پارٹی کے لئے اپنی برادری کی صف بندی کے لئے برسوں سے محنت کر رہے ہیں۔خود مکیش سہنی بھی انتخابی اعلان کے بعد انڈیا اتحاد میں شامل ہوئے تھے نتیجہ ہے کہ بہار سے جو انڈیا اتحاد کو امیدیں تھیں وہ پوری نہیں ہو سکیں۔اگر چہ بہار میں تیجسوی یادو کو ایک سنہری موقع ملا تھا کہ وہ خود کو ایک مقبول لیڈر کے طور پر اپنی شناخت مستحکم کر سکتے تھے۔کاش کہ وہ اپنے خاندانی سیاست کے دائرے سے باہر نکل پاتے تو ریاست کا انتخابی نتیجہ کچھ اور ہوتا۔ظاہر ہے کہ نتیش کمار کی صاف وشفاف شبیہ اور ریاست بہار میں ان کی ایک 'وکاس پُرش' کی جو شبیہ ہے اس کا فائدہ نہ صرف ان کی جماعت کو ملا بلکہ ان کے اتحادی کو بھی ملا ہے۔اگر نتیش کمار انڈیا اتحاد سے الگ نہیں ہوئے ہوتے تو شاید نہ صرف بہار کی سیاسی تصویر کچھ اور ہوتی بلکہ قومی سیاست کی تصویر بھی کچھ الگ ہو سکتی تھی۔واضح ہو کہ نتیش کمار نے پورے انتخابی تشہیری جلسوں میں کبھی بھی کسی طبقے کو نشانہ نہیں بنایا اور وہ جمہوری طریقے سے اپنے ترقیاتی کاموں کے بدل میں ووٹ مانگتے رہے۔یہ حقیقت تو مسلّم ہے کہ بہار کی تصویر بدلنے میں نتیش کمار کی حصہ داری سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہی وجہ ہے کہ ہر طبقے میں ان کی مقبولیت کا گراف دنوں دن بلند بھی ہوتا رہا ہے

بہر کیف! اس انتخاب میں کئی علاقائی سیاسی جماعتوں کے ساتھ ایک بڑی قومی سیاسی جماعت کانگریس نے اتحاد بنا کر برسر اقتدار جماعت سے مقابلہ کیا وہ بھی ایک تاریخی کارنامہ ہے کہ تمام تر وسائل کی کمی کے باوجود ایک ایسی سیاسی جماعت جو دنیا کی سب سے دولت مند سیاسی جماعت ہے اس کا نہ صرف ڈٹ کر مقابلہ کیا بلکہ خاطر خواہ کامیابی بھی حاصل کی اور ان کی کامیابی ہماری جمہوریت کے لئے کس قدر ضروری تھی اس کا اندازہ تو اب ہوگا کہ جب پوری دنیا یہ دیکھ سکے گی کہ ہندوستان میں اب حزب اختلاف کی آواز صدا بہ صحرا ثابت نہیں ہوگی۔تمام سیاسی جماعتوں کو اس انتخابی نتائج پر غور وفکر صرف اس لئے نہیں کرنا چاہئے کہ اقتدر کسے حاصل ہوا اور کسے نہیں بلکہ اس لئے بھی سوچنا ضروری ہے کہ جمہوریت کی پاسداری کے لئے کیا کچھ کیا جانا چاہئے۔ ہمارا ملک جغرافیائی اعتبار سے بھی مختلف حصوں میں تقسیم ہے۔مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب کے عوام الناس کے کھان پان، لباس، رسم ورواج اور زبان بھی مختلف ہیں اور یہی کثرت میں وحدت ہماری شناخت کا ضامن بھی ہے۔اس پارلیامانی انتخاب میں بھی یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اگر ملک کے کسی ایک حصے میں ذات پات کی سیاست پروان چڑھتی ہے، نفرت انگیزی کو فروغ ملتا ہے تو دوسرے حصے میں نسلی مساوات اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا سازگار ہوتی ہے اور ملک کے تہذیبی وثقافتی توازن کو بگڑنے نہیں دیتی۔اپوزیشن اور برسر اقتدار دونوں جماعتوں کو یہ سمجھنا ہوگا کہ ہماری مٹی میں بقول سوامی وویکانند کہ ''سناتن میں سمیٹنے کی طاقت ہے''۔واضح ہو کہ سوامی وویکانند نے اپنے شکاگو کی تاریخی تقریر میں کہا تھا کہ ''ہماری سنسکرتی میں Incluson ہے Excluson نہیں''۔

بہر کیف! اب بی جے پی کی نئی حکومت تشکیل پا چکی ہے تو کسی ایک سیاسی جماعت کی نہیں ہے؛ بلکہ اتحادی حکومت تشکیل پائی ہے اور ظاہر ہے کہ اس اتحاد کی تمام سیاسی جماعتوں کے افکار ونظریات الگ الگ ہوں گے اور شاید ان کی کوشش ہوگی کہ حکومت کے فکر وعمل سے کسی خاص طبقے کی دل آزاری نہ ہو اور ملک کی جو تہذیبی تاریخی شناخت ہے وہ مسخ ہونے نہ پائے۔اگر ایسا ہوتا ہے تو نہ صرف اتحادی حکومت کے مفاد میں ہوگا بلکہ اس ملک کے لئے امید کی نئی کرنیں بھی نمودار ہوں گی۔تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ ہماری مٹی کسی کو بھی زہر بونے نہیں دیتی اور اس ملک کی آب وہوا میں نفرت کی بیج کنی پروان نہیں چڑھتی۔طلوع آفتاب ازلی وابدی حقیقت ہے اور اندھیرا کا مقدر لمحاتی ہوتا ہے اس لئے جمہوریت میں دھوپ چھاؤں کا کھیل تو چلتا رہتا ہے مگر کسی آمر کے لئے اس کی زمین ہمیشہ تنگ ہوتی ہے ہندوستان کی جمہوریت نے پوری دنیا کو یہ پیغام دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ ''دھرتی کے واسیوں کی مکتی پریت میں ہے''۔

مثبت سوچ-کامیاب زندگی کی ضمانت

شوکت ساحل

سوچ سے خیال، خیال سے نظریہ، نظریہ سے مقصد، مقصد سے تحریک، تحریک سے جستجو اور جستجو سے کامیابی جنم لیتی ہے۔ ہمارے ذہن کے سوچنے کا انداز دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک منفی اور دوسرا مثبت۔ مثبت سوچ ہمیشہ انسان کو کامیابی کی طرف لے جاتی ہے جبکہ منفی سوچ ناکامی اور نامرادی کی طرف دھکیلتی ہے اور زندگی کی چمک دمک کو تاریکی میں بدل دیتی ہے۔

ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ مثبت سوچ کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔ ہم جیسا سوچتے ہیں، ہماری شخصیت بھی ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ اگر ہم اپنے آپ کو پر اعتماد، کامیاب، ذہین اور پر کشش تصور کریں گے تو ہماری شخصیت میں یہی خصوصیات شامل ہونا شروع ہو جائیں گی اور اگر ہم اپنے آپ کو کمتر اور حقیر محسوس کریں گے، تو ہم ویسے ہی بن جائیں گے۔ اچھی اور بہتر زندگی کے لئے زندگی کا با مقصد اور بامعنی ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ مقاصد اور اہداف ہمیں زندگی کی قدر و قیمت سے آگاہی فراہم کرتے ہیں۔

ہمارا ذہن خیالات بنانے کی مشین ہے، جس میں ہر وقت کوئی نہ کوئی خیال بنتا اور ٹوٹتا رہتا ہے۔ ہم کچھ نہ کچھ سوچتے ہی رہتے ہیں، کبھی اچھا کبھی برا، کبھی مثبت اور کبھی منفی۔ مثبت سوچ کا نتیجہ بھی مثبت نکلتا ہے۔ کامیاب زندگی، مثبت سوچوں اور رویوں جب کہ ناکام زندگی منفی سوچوں اور رویوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ سوچ انسانی ذہن پر اس حد تک اثر انداز ہوتی ہے کہ کوئی بھی انسان اپنی قسمت خود بنا سکتا ہے۔ زندگی کا ہر منظر سوچ سے جنم لیتا ہے اور سوچ پر ہی ختم ہوتا ہے۔ ایک منفی سوچ کا حامل شخص منفی عمل کو جنم دیتا ہے جبکہ مثبت سوچ کا حامل شخص تعمیری فعل انجام دیتا ہے۔

ہماری زندگی پر ہماری سوچ اور خیالات مستقل طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ قدرت نے انسان کو مختلف صلاحیتیں عطا کی ہیں، ان میں سے ایک کا نام سوچ ہے۔ زندگی کی اکثر خوشیاں اور مصائب ایک حد تک اسی سوچ کی پیداوار یا مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ زندگی کو خوش گوار اور کامیاب بنانے کے لیے اپنی سوچ کو مثبت رکھیں۔ آپ کی سوچ بیج کی مانند ہے۔ آپ وہی کھیتی حاصل کر سکیں گے، جیسا بیج بوئیں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہمارے خیالات ہمیں سنوارتے یا بگاڑتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے ذہن میں ہمیشہ مثبت خیالات کو جگہ دیں۔ بیمار اور پریشان کن خیالات ہمیں بیمار اور پریشان کرتے ہیں، ان سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ آپ کی ناکامیوں کا سب سے بڑا سبب منفی خیالات ہیں۔ اگر آپ مستقل شکوہ گو رہیں گے تو آپ کی زندگی میں مزید ایسے واقعات رونما ہوں گے جن پر آپ کو مزید رنجیدہ ہونا پڑے گا۔ اگر آپ بہترین شخصیت بن کر معاشرے کے سامنے آنا چاہتے ہیں تو اپنے ذہن میں مثبت خیالات کو جگہ دیں، منفی خیالات سے دور رہیں۔ مثبت سوچ آپ کی اچھی، کامیاب اور خوش حال زندگی کی ضامن ہے۔ خوشی، سکون، صحت، تعلقات، خود اعتمادی اور اچھی زندگی مثبت سوچ کی پیداوار ہیں۔ کیوں کہ دنیا بدل رہی ہے۔

بچوں کی تعلیم وتربیت پر توجہ دیجئے

سیدہ تبسم منظور ناڈکر، ممبئی

اللہ رب العزت کی بے شمار نعمتوں، نوازشوں اور احسانات میں سے ایک عظیم نعمت اولاد ہے۔ اس نعمت کی قدر ذرا ان لوگوں سے پوچھ کر دیکھیں جو اس نعمت سے محروم ہیں۔ وہ اسے پانے کے لئے اپنا قیمتی وقت اور دولت صرف کرتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ دولت خرچ کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ اولاد والدین کے پاس اللہ تعالی کی امانت ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن والدین سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ انہوں نے یہ ذمہ داری بخوبی نبھائی یا نہیں، اس امانت کی حفاظت کی یا اسے برباد کر دیا۔

یہی بچے مستقبل میں قوم کے معمار ہوتے ہیں۔ اگر اُنھیں صحیح تربیت دی جائے تو اس کا مطلب ہے ایک اچھے اور مضبوط معاشرے کے لیے ایک صحیح بنیاد ڈال دی گئی۔ ایک مضبوط ستون کھڑا ہو گیا۔ بچوں کی اچھی تربیت سے ایک مثالی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ جیسے کہ ایک ننھا سا پودا ہی مستقبل میں اچھا گھنا تناور سایہ دار اور پھل دار درخت بن سکتا ہے۔ کبھی بھی کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ دولت کتنی ہے گاڑی بنگلے کتنے ہیں بلکہ یہی سوال ہوتا ہے اولاد کتنی ہے۔

اولاد اللہ رب العالمین کا سب سے بڑا قیمتی تحفہ ہے۔۔۔۔ یہ تحفہ ایسا ہے جس کے لئے انبیاء کرام نے بھی نیک اور صالح اولاد کی دعائیں مانگی۔ مال و دولت اور اولاد دنیا کے لئے زینت تو ہے ہی لیکن یہ آزمائش بھی ہیں۔ اولاد کی تربیت نہایت ضروری ہے۔ کیوں کہ یہی اولاد آگے چل کر اس روئے زمین کی فلاح کا انحصار ہوگی۔ ماں کی گود ہی اولاد کا پہلا مکتب ہے۔۔۔۔ اور ماں کی گود کو اولاد کا پہلا مکتب اس لئے کہا گیا ہے کہ اولاد کی تربیت میں ماں کو ایک اہم اور خاص مقام دیا گیا ہے۔ وہ نیک سیرت اور پاکیزہ مائیں ہی تو تھیں جنہوں نے اسلام کو عظیم مصلحین، علماء اور اولیاء کرام سے نوازا ہے جن کی علمی، اصلاحی اور دعوتی جدوجہد نے مختلف ادوار میں اسلام کو ظلم سے نکال کر صراط مستقیم پر گامزن کیا۔ جب بھی عالم اسلام کو معاشرتی، تہذیبی، اخلاقی اور مذہبی زوال نے گھیرا یا پھر دشمن کی مخالف سازشیں کامیاب ہونے لگیں تو انہیں نیک سیرت ماؤں کے نیک صالح بیٹوں نے عالم اسلام کی رہبری و رہنمائی کی ہے۔ قرآن کی تعلیمات کو عام کیا۔ اپنی جانیں گنوائیں اور اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر طوفان کو اپنا راستہ بدلنے پر مجبور کر دیا۔ اس لئے ماں نیک ہوگی تو وہ اپنے بچوں کی تربیت صحیح کر پائے گی۔

بچپن میں ہی کی گئی تربیت بچوں کے دماغ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ بچپن میں ہی اگر بچوں کی صحیح دینی و اخلاقی تربیت کی جائے تو بڑے ہونے کے بعد بھی وہ تہذیب و تمیز اور اخلاق پر ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ جیسے پتھر پر کھینچے گئے نقش ہوں۔ ہم سب بہت اچھی طرح جانتے ہیں کے اولاد اللہ رب العزت کا نہایت ہی قیمتی انعام ہے۔ رب العزت نے اپنے کلام میں انہیں زینت اور دنیاوی زندگی میں رونق بیان کیا ہے لیکن یہ رونق و بہار اور زینت اس وقت ہے جب اس نعمت کی قدر کی جائے، دین و اخلاق اور تعلیم کے زیور سے انہیں آراستہ کیا جائے۔ بچپن ہی سے ان کی صحیح دیکھ بھال ہو دینی تربیت کا خاص خیال رکھا جائے۔ اسلامی ماحول میں انہیں پروان چڑھایا جائے۔۔۔ حقوق صرف اولاد کے ہی نہیں ہوتے بلکہ والدین پر بھی اولاد کے حقوق ہیں۔ ان میں سب سے اہم اُن کی دینی تعلیم اور اچھی تربیت ہے۔ تعلیم اور تربیت میں سب سے زیادہ اہم چیز تربیت ہے جبکہ ہم آدھی سے زیادہ زندگی تعلیم حاصل کرنے پر صرف کر دیتے ہیں۔ ویسے علم تو ابلیس کے پاس بھی بہت تھا۔ اسلام نے عصری تعلیم کو ہرگز منع نہیں کیا لیکن دین کی بنیادی تعلیم کا حصول اور اسلام کے ارکان کا جاننا تو ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس پر آخرت کی فلاح و کامیابی کا بھی دارومدار ہے۔ جب تک دین کی بنیادی تعلیم سے آگاہی اور اس پر عمل نہ ہو تو حید و رسالت اور آخرت پر صحیح ایمان نہ ہو یا نماز روزہ اور قرآن کی تلاوت سے اور روزمرہ کی زندگی کے احکامات سے غفلت ہو۔ جہنم سے بچنے کی فکر جس طرح خود کو کرنی چاہئے اسی طرح والدین کی یہ بہت ہی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی بچپن سے ایسی تربیت کریں کہ ان میں دینی شعور پختہ ہو اور بڑے ہو کر وہ زندگی کے جس کسی شعبے میں بھی رہیں ایمان و عمل سے ان کا رشتہ نہ صرف قائم رہے گا؛ بلکہ بہت مضبوط بھی ہوگا۔ آج دور حاضر میں والدین دنیاوی زندگی کی بہت حد تک بچوں کے بہتر مستقبل کی خوب فکر اور کوشش میں دن رات ایک کرتے ہیں۔ اس کے لئے محنت کرتے ہیں تا کہ وہ معاشرہ میں سرخرو رہیں اور آرام کی زندگی گزار سکیں؛ لیکن اس دنیا کی چھوٹی سی زندگی کے بعد آخرت کی جو کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی ہے وہاں کی سرخروئی سے خود بھی غافل رہتے ہیں اور اپنے بچوں کی تربیت میں بھی اس پہلو کو اہمیت نہیں دیتے۔ جتنی عصری تعلیم کے لئے جدوجہد کی جاتی ہے اتنی دینی تعلیم کے لئے نہیں کی جاتی۔ بچوں کا ذہن صاف و شفاف بالکل کورے کاغذ کی طرح خالی ہوتا ہے اس میں جو لکھنا چاہے جو بھی نقش کھینچنا جائے وہ مضبوط و پائیدار ہوتا ہے۔ بچپن میں بچے کے لئے علم کا حصول پتھر پر کھینچے نقش کی طرح ہوتا ہے۔ بچپن میں جو چیز دماغ میں بٹھا دی جائے وہ پائیدار اور مضبوط ہوتی ہے جیسے زمین سے اُگنے والے نرم و نازک پودوں کی طرح بچوں کے خیالات و فکر اور طرز زندگی کو جس طرح جس رخ پر چاہے باآسانی سے موڑا جا سکتا ہے جب وہ بڑے ہو جائیں اور اُن کی عقل پختہ ہو جائے تو ان میں تبدیلی ناممکن تو نہیں؛ لیکن مشکل ضرور ہوتی ہے اس لئے شروع سے ہی مطلب ابتدائی عمر میں ہی بچوں کی نگرانی اور ان کی صحیح تربیت والدین کی اہم ذمہ داری ہے، لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کی تربیت یکساں کرنی چاہئے، اگر بیٹی کو پردہ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو بیٹوں کو بھی اپنی نگاہوں کو نیچی کرنے کی تلقین کریں۔ ماں بہن بیٹیوں کی عورت کی عزت کرنا سکھائیں، تعلیم جتنی ضروری ہے اس سے زیادہ تربیت ضروری ہے آج کل جو میاں بیوی کے جھگڑے معمولی معمولی باتوں پر طلاق اور خلع کے تقاضے۔۔۔ والدین سے بدسلوکی بدتمیزی گھر سے باہر نکال دینا، در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے اکیلا چھوڑ دینا۔۔ رشتہ داروں میں بھائی بہنوں میں اختلافات پیدا ہونا۔۔ رشتوں ناطوں سے زیادہ مال و دولت اور چیزوں کو ترجیح دینا۔۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گالی گلوچ کرنا۔۔۔ اپنے سے بڑوں کا احترام نہ کرنا اور نا جانے کئی ایسی وجوہات ہیں جو سب کی سب بتا رہے ہیں کہ یہ پڑھی لکھی ایجوکیشنل نسل تربیت سے بالکل پرے ہے، اپنی اولاد کو تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کے زیور سے بھی آراستہ کیجئے تا کہ ایک صاف شفاف اور نیک معاشرہ تشکیل پا سکے۔ ایک بات ذہن نشین کر لیں تعلیم کی کمی کو تربیت ڈھانپ سکتی ہے پر تربیت کی کمی کو تعلیم نہیں ڈھانپ سکتی۔ جتنی تعلیم ضروری ہے اس سے زیادہ تربیت ضروری ہے۔ بچے پالنا کوئی بڑا کام نہیں یہ کام صدیوں سے جانور چرند پرند بڑے بہت اچھی طرح سے کرتے آرہے ہیں۔ بڑا کام ہے بچوں کی اچھی تربیت کرنا۔

Scanned with CamScanner

غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم

مولانا محمد اسعد قاسمی

اسلام نے اخلاقیات کے تعلق سے بہت سے اہم اور عظیم احکامات جاری کئے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اخلاق عظیم عطا فرمائے، یہاں تک کہ آپ کے قلب میں چرندو پرند اور جانوروں کے لئے بھی محبت رکھی، اور آپ کے اخلاق کا عالم یہ تھا کہ آپ صحابہ کے ساتھ انتہائی نرمی ومحبت کا معاملہ کرتے تھے، کسی کو ڈانٹتے و پھٹکارتے نہیں تھے، قرآن نے بھی ''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم کہہ کرآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کی تعریف وتوصیف کی ہے، اوران کی عظمت کو بیان کیا ہے، آپ کے اخلاق کی اہمیت وافادیت کو بھی ان الفاظ میں واضح کیا گیا کہ اگر آپ سخت دل ہوتے تو صحابہ آپ کے پاس جمع نہ ہوتے، تتر بتر ہو جاتے، آپ کو اخلاق عالیہ عطا کئے گئے، چونکہ آپ سے اشاعت دین کا کام لینا مقصود تھا، آپ سے معاشرہ کے اقدار کو بلند کرانا تھا، آپ سے سماج کی گندگیوں کو ختم کرانا تھا، آپ کو اخلاق عالیہ کا خوگر بنا کر بھیجا گیا، چونکہ آپ کو دنیا کا سب سے عظیم کام سونپا گیا تھا، اوراس کام کی تکمیل کے لئے اخلاق عالیہ انتہائی اہمیت کے حامل تھے، لہٰذا جب آپ کے دربار میں حاتم کی بیٹی قید کر کے لائی گئی اوراس کے سر سے اوڑھنی کھسک گئی، تو آپ نے اپنی چادر مبارک اس کو دے دی، اور تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: بیٹی چاہے دوست کی ہو یا دشمن کی بیٹی بیٹی ہوتی ہے، اسی طرح آپ نے اخلاق عالیہ کا مظاہرہ فتح مکہ کے دن بھی فرمایا: اور کہا جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو، تم پر ملامت بھی نہیں ہے، آج معافی کا دن ہے، یوں تو آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اخلاق عالیہ کا مظہر ہے؛ لیکن ان تاریخی جملوں اور اخلاق عالیہ کے نمونوں نے تصویر ہی بدل کر رکھ دی اور اسلام لوگوں کے دلوں میں گھر کر گیا۔ ہمیں یہیں سے یہ پیغام حاصل ہوا کہ جس قوم کے ساتھ آپ رہتے ہیں اس کے ساتھ کیسا اخلاقی برتاؤ کرنا ہے۔

ہندوستان کی آزادی کو عرصہ دراز گذر چکا ہے، ہم نے معاشی اعتبار سے سنبھالا لے لیا ہے، تعلیمی اعتبار سے بھی بہتری کے اشارے موجود ہیں، لیکن اخلاقیات میں ہم ابھی وہاں موجود نہیں ہیں، جہاں ہمیں بحیثیت مسلمان ہونا چاہئے، ہمارے لہجہ میں سختی ہے، ہم اقلیت میں ہونے کے باوجود اپنی زبان سے کڑواہٹ دور نہیں کر پائے، ہندؤں کے ساتھ ان اخلاق کا مظاہرہ نہیں کر پائے، جو اسلام کا دعوتی تقاضہ ہے، اور جن اخلاق کا مظاہرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں کیا، ابوجہل آپ کو تکلیف دیتا تھا، ستاتا اور اذیتیں پہنچاتا، لیکن آپ کے اخلاق کریمانہ کا عالم یہ تھا کہ آپ اس کے لئے دعا فرماتے اور باری تعالیٰ سے التجا کرتے کہ اسے اسلام کی عظیم دولت سے مالا مال کر دے، اسی طرح فاروق اعظم آپ کے مخالف ہیں، آپ کو دنیا سے ختم کرنا چاہتے ہیں نعوذ باللہ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاروق اعظم کے لئے دعا کرتے ہیں، اورانہیں اسلام کی عظیم دولت سے مالا مال کرنا چاہتے ہیں، ان واقعات سے احساس ہوتا ہے کہ کس طرح کے اخلاق کا مظاہرہ کرنا ہے۔

اسلام ہمیں یہ تعلیم نہیں دیتا کہ جو قوم ہماری مخالف ہو، جس قوم نے زیر کرنے کی ٹھان رکھی ہو، اس قوم پر بھی ہم ظلم کریں، اس کے ساتھ بھی ہم غلط طرز سے پیش آئیں ؛ بلکہ اسلام تو دشمنوں کے ساتھ بھی اچھے اخلاق سے پیش آنے کا مطالبہ کرتا ہے اور حسن اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، فرعون کے سامنے بھی نرم لہجہ استعمال کرنے کی تلقین کرتا ہے، جنگ کے میدان میں بوڑھوں کی تعظیم کرنے اور بچوں پر شفقت کرنے کا حکم دیتا ہے، درختوں کو نہ کاٹنے کا حکم دیتا ہے، عورتوں کی عزت وحرمت کی دعوت دیتا ہے، فتح شدہ علاقے کو تہس نہس کرنے سے منع کرتا ہے، جو اسلام کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے انہیں ایذاء اور تکلیف پہنچانے کا قائل نہیں ہے۔

اس کو خیال میں رکھتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کو ذہن میں یہ بات رکھنی چاہئے کہ کیا اسلام بدخلقی کی تعلیم دے سکتا ہے؟ کیا اسلام گالی گلوچ کی تعلیم دے سکتا ہے؟ کیا اسلام لہجے کی سختی وتندی کی تعلیم دے سکتا ہے؟ کیا اسلام چوری ڈاکہ زنی کی تعلیم دے سکتا ہے؟ ۔۔۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ان جملوں سے آپ کے ذہنوں میں یہ بات نہیں ابھرنی چاہئے کہ ہندوستانی مسلمان بدخلقی کا شکار ہے، اس کا طرز گفتگو برا ہے، وہ چور ڈکیت ہے، کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے؛ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اکثر ہندوستانی مسلمانوں کا اخلاقی برتاؤ ایسا نہیں رہا ہے جیسا کہ اسلامی تقاضہ تھا اور ان کا دل جیتنے میں اس حد تک کامیاب نہیں ہو سکے جتنا کہ انہیں ہونا چاہئے تھا، آزادی کو 77 سالوں کا عرصہ گزر چکا، آج بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان میں دوریاں ہیں، رنجشیں ہیں، بدمزگیاں ہیں، لڑائیاں ہیں اور صورت حال یہاں تک آپہونچی ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں اور سیاسی جماعتوں نے ہندو مسلم نام کا استعمال کر کے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے، ہندو مسلمان کے نام پر کرسیاں حاصل کی جارہی ہیں، لوگوں کے جذبات سے کھیلا جارہا ہے، خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے، اور انسانوں کی قربانیاں دی جارہی ہیں، اس صورت حال میں ہمیں سوچنے اور غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے، کیا ہمارا اخلاقی برتاؤ ہندو اقوام میں اسلامی طرز پر کھرا اترتا ہے، سوچ وفکر کے ساتھ ہمیں اس سمت آگے بڑھنا چاہئے، ہندوؤں کا اعتماد حاصل کرنا چاہئے۔

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کفار کو ایمان کی دعوت دی تو کہا کہ میں تمہارے درمیان عمر کا ایک قابل ذکر حصہ گزار چکا ہوں، اس حصہ میں تم نے میرے شب وروز دیکھے ہیں، میری جوانی دیکھی ہے، میرے اخلاق و معاملات دیکھے ہیں، کیا تمہیں اس پر اعتماد نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار ایمان نہیں لاتے تھے؛ لیکن آپ کو جھوٹا کہتے ہوئے، ان کی زبان کانپنے لگتی تھی اور زندگی کے وہ گوشے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے درمیان گزارے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے تھے اوران کی زبانوں پر سکتہ طاری ہو جاتا تھا، کفار آپ کے پاس امانتیں رکھتے، اپنے قیمتی سامان رکھتے تھے۔ اس پس منظر میں غور کیجئے! ہم نے اس ملک کی آزادی میں اپنا خون بہایا، عہدہ ومنصب گنوائے، آزادی حاصل کی، حصول آزادی کے بعد ہمارے ساتھ رہنے والی قوم ہم پر اعتماد و اعتبار کیوں نہیں کرتی، کیا ہمارا اخلاقی رویہ ان کے ساتھ اس معیار کا رہا جو اسلامی معیار ہے، اس سلسلے میں غور وفکر کریں، سیرت سے سبق حاصل کریں۔

اپنے اخلاق کو اسلامی اخلاق بنائیں، ہندوؤں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں، انہیں عملی طور پر اسلامی تعلیمات سے واقف کرائیں، اسلام کیا اسلام کی اہمیت وافادیت سے روشناس کرائیں، اپنے اخلاق کو بلند و بالا کریں، تاکہ آپ کی اخلاقی بلندی ان کے لئے اسلام کے معیار انسانیت کو سمجھنے میں معاون ہو، اس کے معاشی فلسفہ کو سمجھنے میں معاون ہو، اس لئے ضروری ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے، ان کے ساتھ اخلاق کریمانہ سے پیش آیا جائے۔

بی جے پی کے لئے سبق آموز کامیابی!

پارلیمانی انتخابات میں بی جے پی نے واحد بڑی پارٹی بن کر ابھری ہے۔ لیکن اس کی یہ کامیابی کیا حقیقت میں کامیابی قرار دی جاسکتی ہے؟ کامیابی تو وہ ہوتی ہے جس سے ہر طرف خوشیاں اور مسرت وشادمانی بکھر جاتی ہے لیکن بی جے پی کی اس کامیابی میں ایسا کچھ نظر نہیں آتا۔ حلف برداریش کے اجلاس میں وزیر اعظم نریندر مودی، امیت شاہ اور جے پی نڈا کے مرجھائے چہرے اور ہونٹوں پر بے جان سی مسکراہٹ صاف بتا رہی تھی کہ وہ بادل ناخواستہ کامیابی کا جشن منا رہے ہیں۔ بی جے پی قائدین بڑے ہی زعم اور تکبر کے ساتھ 400 سے زائد نشستوں پر کامیابی کے دعوے کر رہے تھے لیکن عوام نے انہیں جادوئی آنکڑہ سے بھی دور رکھتے ہوئے بتا دیا کہ جمہوریت میں قائدین اور پارٹیاں نہیں عوام بادشاہ گر ہیں۔ وہ چاہیں تو آپ کو آسمان پر اٹھا سکتے ہیں اور وہ چاہیں تو فرش پر پٹخ بھی سکتے ہیں۔ گذشتہ دو میعادوں سے عوام نے بی جے پی کو انفرادی طور پر تشکیل حکومت کے قابل نشستیں دیتے ہوئے اقتدار تک پہنچایا۔ ملک وعوام کی خدمت کا موقع دیا اور اس بات کا انتظار کیا کہ بی جے پی اپنے وعدوں کے مطابق عوام کی فلاح وبہبود کے لئے کام کرے گی۔ وزیر اعظم اپنے دعوؤں کے مطابق بلا لحاظ مذہب وذات ملک کے تمام شہریوں کی یکساں ترقی کے لئے کام کریں گے۔ بے روزگاری، غربت، مہنگائی اور کرپشن جیسی لعنتوں سے ملک کو نجات دلائیں گے لیکن افسوس کہ انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا بلکہ اپنی دونوں ہی میعادوں میں انہوں نے من مانی فیصلوں کے ذریعہ ملک وقوم کو مزید پریشانیوں کی نذر کر دیا۔ ملک کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی۔ مذہبی منافرت اور تعصب پھیلانے والوں کو کھلی چھوٹ دے دی۔ بے روزگاری کو گھٹانے کی بجائے مزید بڑھا دیا۔ ترقی کے وعدوں اور دعوؤں کو صرف کاغذات پر دکھایا گیا جبکہ عملی طور پر صورت حال وہی ڈھاک کے تین پات رہی اور کرپشن وبدعنوانیوں کے خلاف محاذ آرائی کے بہانے صرف حریف پارٹیوں کو ڈرایا دھمکایا گیا، ان کے قائدین کو توڑا گیا۔ اپوزیشن کے اقتدار کو غیر مستحکم کرتے ہوئے غلط طریقے سے اقتدار پر قبضے کیے گئے اور الیکٹورل بانڈس کی صورت میں خود بی جے پی نے لاکھوں کروڑ کی بدعنوانی انجام دی۔ ملک کی املاک جو کہ عوام کی اجتماعی ترقی کے لئے ہوتی ہے کو چند امراء کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے معیشت کو نقصان پہنچایا گیا۔ ہر شعبہ میں خانگیانے کے عمل کو بڑھاوا دیتے ہوئے ملک کے کروڑوں غریبوں کے ساتھ دھوکہ کیا گیا۔ حکومت کے فیصلوں کے خلاف آواز اٹھانے پر غدار وطن کا الزام عائد کرتے ہوئے عوام کی آواز کو دبایا گیا۔ مقدمات کا اندراج کراتے ہوئے معصوم نوجوانوں کو جیل کی کوٹھریوں نذر کر دیا گیا۔ ایسے ہی کئی غلط فیصلوں اور منصوبوں کا نتیجہ ہے کہ آج عوام نے بی جے پی کو ادھوری کامیابی عطا کی۔ بی جے پی سب سے زیادہ نشستیں حاصل کرنے کے باوجود بھی اپنے دم پر حکومت تشکیل کرنے کے قابل نہیں رہی۔ اس کے لئے حلیفوں کا سہارا لازمی ہوگیا ہے۔ جبکہ گزشتہ دو معیادوں میں عوام نے بی جے پی کو اپنے دم پر حکومت بنانے کا بھرپور موقع فراہم کیا تھا۔ جس سے وہ اس زعم میں آگئی تھی کہ وہ کچھ بھی کر سکے گی اور اسی بھرم میں اس نے اس مرتبہ چار سو پار کا نعرہ دیا جو کہ پوری طرح ناکام ہوگیا۔ بی جے پی کی ناکامی میں تین ریاستوں اتر پردیش، مغربی بنگال اور مہاراشٹرا کی بڑی حصہ داری رہی ہے۔ اتر پردیش میں مودی۔ یوگی کے نام پر عوام خاص کر اقلیتوں کے ساتھ جو ظالمانہ طرز عمل کیا گیا، اس کا خمیازہ بی جے پی کو بھگتنا پڑا۔ قانون کی بالا دستی لاقانونیت کا راج تھا۔ انکاؤنٹر کے نام پر قتل، گھروں پر بلڈوزر چلانا، املاک ضبط کرنا اور اس جیسے کئی غیر قانونی طریقے اپنائے جارہے تھے اور عوام سب دیکھ رہے تھے اور آج جب موقع آیا تو عوام نے اپنے فیصلے سے حکومت کو واقف کروا دیا۔ مغربی بنگال میں بی جے پی نے ریاستی حکومت کو بدنام کرنے اس کی امیج کو نقصان پہنچانے کے لئے بھرپور کوشش کی اور اس کے لئے مرکزی اداروں کا بھی بیجا استعمال کیا گیا پر عوام سب جانتے اور آج جب موقع آیا تو انہوں نے بتا دیا کہ جھوٹ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ 2019ء کے مقابل اس مرتبہ بنگال میں بی جے پی کو 6 نشستوں کا نقصان اٹھانا پڑا جبکہ امیت شاہ اور مودی جی نے تو انتخابی مہم کے دوران مغربی بنگال میں پوری طرح بی جے پی کی کامیابی کے بڑے بڑے دعوے کیے۔ عوام کو سبز باغ دکھائے پر سب ٹائیں ٹائیں فش ہوگیا۔ ایسا ہی کچھ مہاراشٹر میں بھی ہوا جہاں شیوسینا اور این سی پی کو توڑ کر بی جے پی نے غلط راستہ سے اقتدار پر قبضہ کیا اور یہ امید کی کہ اس مرتبہ عام انتخابات میں ریاست کی تمام ہی نشستوں پر کنول کھلائے گی پر منہ کی کھانی پڑی۔ رام مندر کے نام پر بی جے پی نے ہندو عوام کو اپنا ووٹ بینک بنانا چاہا لیکن خود ایودھیا میں عوام نے بی جے پی کو شکست دیتے ہوئے بتا دیا کہ مذہب کے نام پر سیاست انہیں قبول نہیں۔ مودی جی گزشتہ دو معیادوں میں 3 تا 5 لاکھ کی اکثریت سے کامیابی حاصل کرتے رہے پر اس مرتبہ ان کا یہ مارجن بھی صرف ایک لاکھ تک ہی سمٹ گیا۔ گویا پارلیمانی انتخابات کے نتائج کئی لحاظ سے بی جے پی کے لئے سبق آموز ہیں۔ پارٹی کو چاہئے کہ وہ اس پر غور کرے، اپنے غرور وتکبر اور خاص کر شخصیت پرستی کو چھوڑ کر عوامی مفاد کو مقدم جانے، بصورت دیگر حالات اور دگرگوں ہو سکتے ہیں۔ (روزنامہ پندار پٹنہ، 8/جون 2024)

Scanned with CamScanner

ایمرجنسی میں اُردو کی صورتِ حال

عارف عزیز (بھوپال)

وہ کرے بات تو ہر لفظ سے خوشبو آئے ☆☆☆ ایسی بولی وہی بولے، جسے اُردو آئے

ایسی میٹھی، نازک اور عوام کی زبان اُردو پر ایمرجنسی کے ۱۷ماہ میں کیا بیتی یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے اور وسیع پیمانے میں اِس پر تلاش و تحقیق کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اُردو ہندوستان کی ایک زبان ہی نہیں، ایک تہذیب، ایک کلچر ہے، جو جغرافیائی، مذہبی، نسلی حد بندیوں اور ذات پات کے بھید بھاؤ میں کبھی گرفتار نہیں ہوئی، ہندوستان کی زیادہ تر زبانیں کسی نہ کسی علاقے یا فرقہ کی نمائندگی کرتی ہیں لیکن اُردو کا کوئی خاص علاقہ نہیں، سارا ہندوستان بلکہ پورا برصغیر اِس کا میدانِ عمل ہے لہٰذا ایمرجنسی میں اُردو کے ساتھ کہاں کیا زیادتی ہوئی اُس کے لکھنے اور بولنے والے کن مسائل سے دوچار ہوئے یہ تحقیق کا موضوع ہے۔ اُردو کے قومی کردار کے بارے میں ڈاکٹر گیان چند جین جیسے کٹر ناقد کا کہنا ہے کہ ''میں اپنے ملک میں کہیں سفر کروں، مجھے اُردو کی بدولت ہر قسم کی سہولتیں، مہمان نوازی اور آؤ بھگت کا فائدہ ملتا ہے۔ اگر مجھے موقع ملے تو میں اُردو کے ہی سہارے مغربی سرحد پار اِسی خلوص اور گرم جوشی کے ساتھ گھوم سکتا ہوں''۔ ڈاکٹر جین کی رائے جہاں اردو کے جمہوری مزاج، رنگا رنگ کلچر اور قومی ایکتا سے اُس کے گہرے لگاؤ کو ظاہر کرتی ہے، وہیں یہ بھی بتاتی ہے کہ اُردو محبت، شرافت، انسانیت اور جمہوری روایات پر چلنے والی ایک زبان ہے۔ اِسی لیے اپنی بات دوسروں تک پہونچانے اور اُنھیں سمجھانے میں اُردو ایک کارگر میڈیم کا کام کرتی ہے، بقول شاعر

جہاں بات کرنے میں ہوں دقتیں وہاں کام آتی ہے، اردو زباں

اُردو کا یہی گنگا جمنی کردار اور مل جل کر رہنے کا مزاج تھا کہ آزادی کے لیے جدوجہد کرنے والی قومی قیادت نے اُسے اپنا وسیلہ بنایا اور انقلاب زندہ باد کے نعروں سے دیش کے در و دیوار گونج اُٹھے۔ یہ باتیں یہاں کہنے کی ضرورت اِس لیے پیش آئی کہ ایسی پیاری زبان، گنگا جمنی تہذیب سے گُندھی ہوئی بولی کو بھی ایمرجنسی میں مختلف آزمائشوں سے گزرنا پڑا، اِس زبان کے قلم کاروں کی سوچ پر پہرا بٹھایا گیا، نہ ماننے پر اُنھیں جیل کی سلاخوں کے اندر کر دیا گیا، کتنے ہی اُردو کے اخبار بند ہو گئے اور اِس سے زیادہ ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کو انڈر گراؤنڈ ہونا پڑا کیونکہ سرکاری تانا شاہی کے وہ خلاف تھے۔ یہ ایمرجنسی کا ہی حال نہیں، اُردو تو سچائی کے اظہار اور تنگ نظری کے ہر بکھان کے خلاف رہی ہے، ایسے عناصر سے لوہا لینا اُس کی سرشت میں داخل ہے۔ جے پرکاش نرائن کا وہ آندولن جسے کچلنے کے لیے سرکار کو ایمرجنسی کا ہتھیار کام میں لانا پڑا، اِس میں بھی اُردو کے شاعر، ادیب اور صحافی آگے آگے تھے، اُس وقت کے اخبار و رسائل ایسی تخلیقات سے بھرے تھے جس میں جے پرکاش کے آندولن کی حمایت کی گئی تھی یا لوک نائک جے پرکاش نرائن کو سمبل بنا کر اُن کی شان میں لکھا جا رہا تھا کہ 'ٹوٹے روشن دان سے چمک رہا ہے ایک چہرہ'۔ یہ صحیح ہے کہ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا نے پہلے پہل ایمرجنسی کی حمایت کی، کئی اردو کے لفٹسٹ قلم کار بھی اِس میں شامل تھے، لیکن اُردو کے عام دانشور اور اُردو بھاشی جنتا شروع سے اِس کے خلاف لام بند رہی، اپنی زباں بندی اُنھیں گوارہ نہیں ہوئی، اُردو کے صحافی، کہانی کار اور شاعروں نے اپنی تخلیقات میں کبھی اشارے کنایوں میں، کبھی کھل کر ایمرجنسی کے خلاف اپنا ردّ عمل ظاہر کیا۔

یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وزیراعظم اندرا گاندھی کو ملک میں ایمرجنسی تھوپ کر عوام کے جمہوری حقوق کیوں چھیننا پڑے، پہلی بات تو یہ تھی کہ ۱۹۷۱ء کے لوک سبھا الیکشن میں کانگریس کو بھاری اکثریت سے کامیاب بنانے پر ووٹرس اب پچھتانے لگے تھے، اِس لیے اگلے الیکشن میں اُن کی رائے کانگریس کے خلاف آنے کا خطرہ بڑھ گیا تھا، دوسرے مہنگائی کا گراف ۲۵ فیصد کی سطح کو پار کر گیا تھا، تیسرے بنگلہ دیش کی جنگ میں کامیابی کی چمک پھیکی پڑنے لگی تھی، عوام کی ناراضی کا یہ حال تھا کہ پوکھرن میں ایٹم بم دھماکہ بھی اُس کو کم نہیں کر پا رہا تھا، اِس پر رہی سہی کسر الٰہ آباد ہائی کورٹ کے اُس فیصلے نے پوری کر دی جس کی رُو سے اندرا گاندھی کا رائے بریلی سے چناؤ رد کر دیا گیا۔ حالانکہ اندرا گاندھی نے اِس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ سے حکیم امتناعی حاصل کر لیا مگر جے پرکاش نرائن کی قیادت میں اُن کے استعفیٰ کی تحریک اِتنی بڑھی کہ اُسے دبانا مشکل ہو گیا اور ۲۶؍جون ۱۹۷۵ء کو ملک میں ایمرجنسی لگا کر عوام کے تمام جمہوری حقوق چھین لیے گئے، خاص طور پر پریس کو غلام بنانے کے لیے آئی کے گجرال کو ہٹا دیا گیا اور وی سی شکل اُن کی جگہ انفارمیشن اور براڈ کاسٹنگ وزیر بنا دیئے گئے تاکہ مؤثر اختلاف کی ہر آواز کو بروقت کچل دیا جائے۔

ایمرجنسی کے اعلان کی سب سے زیادہ زد اُردو اخبارات پر پڑی، پہلے دن بہت سے روزنامے شائع نہیں ہوئے یا نکلے تو اُن کے اڈیٹوریل کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی۔ دہلی کے اخبارات پر اِس کا اثر زیادہ نظر آیا، بہادر شاہ ظفر مارگ کے پریس ایریا کی بجلی سپلائی بند کر دی گئی، ٹیلی فون کاٹ کر پولیس کا پہرا بٹھا دیا گیا، نیوز ایجنسیوں پر بھی سخت سنسر شپ لگا دی گئی، اِس طرح دہلی میں صبح کو اخبار پڑھنے والے اندھیرے میں رہے، جالندھر کے پریس ایریا میں بھی یہی کارروائی ہوئی لیکن 'ہند سماچار' نے جو اُس وقت اُردو کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا اخبار تھا، ٹریکٹر کے انجن سے پرنٹنگ مشین چلا کر اخبار چھاپا اور تقسیم کر دیا، کلکتہ میں اخباروں پر سنسر شپ کی اِتنی سخت پابندیاں تھیں کہ برطانوی دور میں عالمی جنگ کے زمانہ میں بھی نہیں رہی ہوں گی، اخبار میں چھپنے والا ایک ایک لفظ سنسر کی پیشگی کلیرنس کے لیے بھیجنا پڑتا تھا، لکھنؤ اور پٹنہ کا حال بھی اِس سے جدا نہ تھا، لیکن بمبئی میں اُردو اخبارات پر سنسر شپ پہلے دن سے مذاق بن کر رہ گئی۔ کیونکہ اِس کے لیے سرکار کے پاس نہ تربیت یافتہ عملہ تھا، نہ اُردو جاننے والے موجود تھے، صرف زبانی وارننگ سے ہی کام چلایا جا رہا تھا، جن اخباروں نے پہلے دن اڈیٹوریل نہیں لکھے اور خالی جگہ چھوڑ کر احتجاج کی روش اپنائی، اُنھیں اِسے دُہرانے پر سخت کارروائی کی وارننگ دی گئی۔ روزنامہ 'سنگم' پٹنہ جو پرانے صحافی اور مجاہدِ آزادی غلام سرور نکالتے تھے، اِس احتجاج میں سب سے آگے تھا، اُسے اِس جرأت کی سزا بھی ملی، گویا اُس وقت ایمرجنسی کی سختی کے خلاف آواز اُٹھانا اپنی جان جوکھم میں ڈالنا تھا، سرکاری احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ماہنامہ 'آج کل' اور 'یوجنا' نئی دہلی جیسے سرکاری ادبی رسالے جو پریس میں چھپ رہے تھے اُن کے قابلِ اعتراض مواد پر سیاہی پھیر دی گئی۔ اِس طرح کی سخت کارروائی کا سب سے زیادہ اثر اُردو اخباروں پر پڑا اور پہلے سے خستہ حال اخباروں کی حالت اور خراب ہو گئی، اُن کے لیے ایمرجنسی کی سختیوں کے خلاف قلم اُٹھانا اپنی جان جوکھم میں ڈالنا تھا، دوسری طرف سارا دیش خوف کی نفسیات میں گرفتار تھا۔ پھر بھی اُردو کے عام قلم کاروں نے سرکار کے آگے خود سپردگی سے اِنکار کر دیا۔ یہ ضرور ہوا کہ ایمرجنسی لگنے کے چار ماہ بعد اکتوبر ۱۹۷۵ء میں انجمن اساتذۂ جامعات ہند (آل انڈیا یونیورسٹی ٹیچرس ایسوسی ایشن) کا چھٹا اجلاس بنگلور میں ہوا تو اُس میں ایمرجنسی کی حمایت کے لیے ایک قرارداد پاس کرانے کی کوشش ہوئی جسے پہلے تو ممبران کی اکثریت نے نامنظور کر دیا لیکن بعد میں حکومت کا دباؤ اور سیاسی مصلحت کام آئی اور بجبوری یہ تجویز منظور ہو گئی۔ اِسی طرح نومبر ۱۹۷۵ء میں آل انڈیا اُردو ایڈیٹرس کانفرنس کا تیسرا اجلاس کلکتہ میں ہوا، اِس میں حکومت نے مغربی بنگال کے وزیراعلیٰ سدھارتا شنکر رے کے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے ایمرجنسی کی حمایت میں نہ صرف تجویز پاس کرالی بلکہ ڈیلی گیٹوں کے حلق سے نیچے نہ اُترنے کے باوجود اِس تجویز میں ایمرجنسی کو اندرا گاندھی کی طرف سے قوم کی خدمت سے تعبیر کیا گیا۔

روزنامہ 'دعوت' دہلی اور ویکلی 'ایاز' بھوپال، ماہنامہ 'زندگی'، عورتوں کا رسالہ 'حجاب'، بچوں کا 'نور' اور سماجی سدھار کا نقیب۔ ماہنامہ 'الحسنات' رامپور جیسے کتنے ہی اخبار اور میگزین تھے جو ۲۱ ماہ بند رہے، ایمرجنسی کے نفاذ تک ہندوستان کی اُردو صحافت میں ہر مذہب اور نظریہ کی معقول نمائندگی تھی۔ آر ایس ایس، جن سنگھ اور آنند مارگیوں کے بھی اخبار نکل رہے تھے لیکن ایمرجنسی کا اعلان ہوتے ہی یہ اخبار بند ہو گئے، پھر بھی آریہ سماج، سناتن دھرم، سکھ ازم، عیسائیت اور اُن کی تنظیموں کے ترجمان جاری رہے۔

اُس زمانہ کے اخبار و رسالے آپ دیکھیں تو اُن کے صفحات پر وزیراعظم اندرا گاندھی کی مسکراتی تصویر کے ساتھ ایسے اشتہارات ملیں گے، جن میں غریبوں اور کمزوروں کی بھلائی کے پروگرام کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا تھا، اِن اِشتہاروں میں اندرا جی کی تقریر کے ایک دو جملے بھی ہوتے تھے، اشتہارات کا یہ طریقہ اِس سے پہلے نہیں تھا، ایمرجنسی میں ہی اِس کی شروعات ہوئی اور وزیراعظم کے وعدوں، ہدایتوں اور نعروں کو اخبارات کی زینت بنانے کا وہ چلن شروع ہوا، جو بعد میں بڑھتا ہی گیا، مثال کے طور پر 'آیئے! قوم کی تعمیر کے کاموں میں ہم جٹ جائیں'، یا 'قوم پھر ہمت سے آگے بڑھنے لگی ہے'، 'نوجوانوں کی بہبودی کے لیے اقدام' اور اِس کے ساتھ 'ایمرجنسی میں حکومت کے کاموں کا بکھان'، 'اناج کی زبردست پیداوار کی خوش خبری'، 'دو بچے پیٹ بھر کھائیں، چار بھوکے رہ جائیں' (فیملی پلاننگ کا نعرہ)، 'کالے دھن کے خلاف مہم جاری ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایمرجنسی کے اخباروں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت اور اُس کے کارندے دوسرے کاموں کو پسِ پشت ڈال کر حکومت کی تشہیر اور پروپگنڈہ میں مصروف تھے اور پورا زور وزیراعظم کی شخصیت کو اُبھارنے میں صرف ہو رہا تھا، جہاں تک عام ذرائع ابلاغ کا تعلق ہے، اُس پر سرکار کا سخت کنٹرول تھا، پرندہ بھی پر نہ مارے اِس کی پوری پیش بندی تھی، نس بندی کے نام پر جو ظلم و زیادتی ہوئی، شہری تعمیر و ترقی کا بہانہ بنا کر غریبوں کو اُجاڑا گیا، اُس کی خبریں بھی عام لوگوں تک مشکل سے پہونچتی تھیں، ایک اندازے کے مطابق ایک کروڑ سے زیادہ لوگ جیل میں قید کر دیئے گئے تھے۔

اُس زمانہ میں ممتاز شاعر ہارِن چٹوپادھیائے دہلی کی ایک شاہراہ سے پیدل گزر رہے تھے، ایک دوست نے پوچھا آج کل آپ کیا کر رہے ہیں، ہارن نے ایک سرکاری ہورڈنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طنزاً جواب دیا، میں اب ملک سے محبت کرتا ہوں، کیونکہ ہورڈنگ پر بڑے بڑے حروف میں لکھا تھا 'اپنی قوم سے محبت کریں، بات کم کام زیادہ کریں'۔ اِس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حکومت نے ایمرجنسی لگا کر 'کلچر آف سائیلنس' یعنی خاموش رہنے کی تہذیب نافذ کر رکھی تھی۔ اِس گھٹن بھری صورتِ حال میں بھی، عام لوگوں نے اپنی زباں بندی کے خلاف احتجاج کیا، طرح طرح سے ایمرجنسی کی مخالفت کی، خفیہ طریقہ سے پمفلٹ شائع کئے، ہلکے پھلکے کارٹون چھاپے، دوسری طرف سرکاری سنسر کی قینچی نے ٹیگور، نذرالاسلام، گاندھی جی اور نہرو جی کو بھی نہیں بخشا، اُن کے نظریات سے اُسے بغاوت کی بُو آتی تھی، لہٰذا اُنھیں بھی سنسر کر دیا گیا، 'مہابھارت' فیم سیریل کے رائٹر ڈاکٹر معصوم رضا راہی کی کتاب 'قطرہ بی آرزو' پر پابندی لگا دی گئی کیونکہ سنسر کی نظر میں ایمرجنسی کو اِس میں نشانہ بنایا گیا تھا۔

اُردو کے جانے مانے شاعر حفیظ میرٹھی گرفتار ہوئے تو اُنھوں نے اپنے درد کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا

زندگی صیاد میری یوں نہ برباد کر ☆☆☆ یا مجھے میسا میں دھر، یا مجھے آزاد کر

اِس کے کچھ دن بعد اُنھیں داخلی سلامتی قانون ڈی آئی آر کے تحت نظر بند کر دیا گیا تو اُنھوں نے دلیری کے ساتھ پھر کہا

ظلم ہنس، ہنس کے سہو، پیچھے نہ ہٹاؤ قدم ☆☆☆ اے میسا والو! تمہیں میسا کی جوانی کی قسم

اِسی قید و بند کے دوران حفیظ کے جواں سال بیٹے کی موت ہو گئی لیکن شاعر نے ہمت کے ساتھ اِس غم کو برداشت کیا، انفرادی احتجاج کی ایسی مثالوں سے اُس دور کی اردو شاعری بھری پڑی ہے۔ مظفر رزمی کیرانوی کا یہ شعر تو ایمرجنسی کے مظالم کو آج بھی تازہ کر دیتا ہے

وہ جبر بھی دیکھا ہے، تاریخ کی نظروں نے ☆☆☆ لمحوں نے خطا کی تھی، صدیوں نے سزا پائی

بھوپال کے شاعر فضل تابش کا یہ شعر بھی ایمرجنسی کے تاریک ماحول پر ایک طنز ہے

جسم میں اُتر کر دیکھ لیا، ہاتھ خالی تھا، اب بھی خالی ہے ☆☆☆ ریشہ ریشہ اُدھیڑ کے دیکھو، روشنی کس جگہ سے کالی ہے

ڈاکٹر قمر رئیس کی ایمرجنسی پر کہی گئی علامتی نظم ''رات پھر حاملہ ہو گئی'' تو ادبی حلقوں میں اُس وقت بہت مقبول ہوئی تھی۔ اُردو کے ایک بڑے افسانہ نگار اقبال مجید نے ایمرجنسی پر کہانی 'پوشاک' لکھی تھی، جو کافی پسند کی گئی، روسی زبان میں اِس کا ترجمہ بھی ہوا تھا۔ اقبال مجید نے کراچی پریس کلب میں اِسے سنایا تو وہاں موجود پاکستان کے ایک افسر نے کہا کہ اِس کہانی کو آپ پریس کلب کی چھت کے باہر پڑھتے تو یقیناً گرفتار ہو جاتے، کیونکہ یہ کہانی ہندوستان کی ایمرجنسی کے خلاف ہی نہیں پاکستان کی سیاسی صورتِ حال پر بھی ایک گہرے طنز کا درجہ رکھتی ہے۔ (**بقیہ : صفحہ ۱۴؍پر**)

Scanned with CamScanner

ہر حال میں توحید پر استقامت اختیار کیجئے

ڈاکٹر مفتی تنظیم عالم قاسمی

ہم مسلمان ہیں اور ایک مسلمان کا عقیدہ ہے کہ ساری کائنات کا رب اور مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، وہ اپنی مرضی کا مالک ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں، وہ اپنی ذات وصفات میں تنہا ہے، اس کا کوئی ثانی اور شریک نہیں، وہی عبادت اور سجدہ کے لائق ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ساری دنیا اس کا محتاج ہے، وہی نفع و ضرر کا مالک ہے، جس کو چاہتا ہے مال و دولت، عزت وآبرو سے نوازتا ہے اور جب چاہتا ہے دے کر چھین لیتا ہے، اس کی قدرت اور طاقت کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا، اس کی تعریف اور تعارف کے لئے ساتوں سمندر کے پانی کو روشنائی بنادی جائے اور سارے درختوں کو قلم تو بھی اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا، اس ذات پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور اس مالک ارض وسماں کا شکر واحسان ہے کہ اس نے ہمیں ایمان وتوحید کے لئے قبول کیا اور ہمیں مسلمانوں کی صفوں میں شامل فرمایا، اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہر حال میں توحید پر قائم رہیں اور حالات جیسے بھی ہوں ہم ایک لمحے کے لئے بھی ایمان سے دست بردار نہ ہوں؛ کیوں کہ ایمان ہے تو اخروی نجات ہے اور ایمان میں ذرہ برابر بھی خامی رہ جائے تو نجات اور فلاح کا کوئی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو پہلا امتحان تھا وہ یہی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مشرکانہ اور ناموافق ماحول میں پیدا فرمایا، بادشاہ بھی کافر اور مشرک، شہر اور ملک کے رعایا بھی اور خود ان کا گھرانہ کفر کی غلاظتوں میں ڈوبا ہوا، ہر طرف کفر اور عصیان کا ماحول تھا اور یہ ایک شخص کے لئے بڑی آزمائش ہوتی ہے کہ تنہا رہ کر بھی خدا پرست رہے، ہر طرف نیک لوگ بستے ہوں، صالحیت اور نیکی کا ماحول ہو، نمازی اور روزہ داروں کی آبادی ہو تو وہاں نماز پڑھنا اور نیک بننا آسان ہوتا ہے اور اگر ہر طرف برے لوگ بستے ہوں، عصیان اور نافرمانیوں کا پہرہ ہو، زنا، بدکاری، شراب نوشی، سود، قمار، رشوت کا سیلاب ہو تو اس ماحول میں دین دار بننا اور احکام شریعت کے مطابق زندگی گذارنا بڑا مشکل ہوتا ہے اور درحقیقت یہی وہ موقع ہوتا ہے جب ایک مسلمان کی وفاداری کا امتحان ہوتا ہے کہ یہ شخص ماحول سے متاثر ہوکر ایمان چھوڑ بیٹھتا ہے یا ایمان اور اس کے تقاضوں پر قائم رہتا ہے، حضرت ابراہیمؑ نے مخالفانہ ماحول اور حالات کے سخت کشیدہ ہونے کے باوجود توحید پر استقامت اختیار کی، اپنے وطن عراق میں جب انہوں نے ہوش سنبھالا تو ہر طرف بت پرستی تھی، اپنے ہاتھوں سے بت تراشتے، اپنی مرضی سے ان بتوں کے ہاتھ پاؤں بناتے اور پھر اسی کو سجدہ کرنے لگتے تھے، باپ دادا کے زمانہ سے ایسا ہی چلا آرہا تھا اس لئے بھی وہ ایک لفظ بھی ان بتوں کے خلاف کچھ سننا نہیں چاہتے تھے، پھر وہاں کا حکمراں نمرود بھی نہ صرف بت پرست تھا بلکہ اپنی خدائی کا لوگوں سے اقرار کراتا تھا، اس ماحول میں ایک شخص کا ان بتوں کے خلاف آواز بلند کرنا اور ایک خدا کی دعوت دینا انتہائی کٹھن اور مصیبت کو دعوت دینا تھا، ذرہ کا پہاڑ سے ٹکرانا اور چیونٹی کا ہاتھی سے مقابلہ کرنا جیسا مشکل اور صبر آزما تھا؛ لیکن ان تمام باتوں سے لاپرواہ ہوکر انہوں نے توحید کی آواز لگائی اور اس پر آخری دم تک ڈٹے رہے، ایک خدا کی طاقت پر ان کی نظر تھی، اسی پر ان کا بھروسہ اور یقین تھا، وہ جانتے تھے کہ ان ظاہری طاقتوں کی خدائی طاقت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں، سارے حکمرانوں کی حکمرانی اس کی مشیت کا محتاج ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا نار نمرود کی تپش اس کے حکم سے ختم ہوگئی اور وہ آگ جس کے شعلوں سے آسمان پر اڑتی ہوئی چڑیا بھی جھلس رہی تھی، حضرت ابراہیمؑ پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہوگئی۔

اس سے پیغام ملتا ہے کہ جب ایک شخص ظاہری طاقتوں سے گھبرائے بغیر اپنا رشتہ اپنے رب سے مضبوط رکھتا ہے اور اس کی خدائی اور طاقت پر مکمل یقین رکھتا ہے تو اس کی نصرت اور مدد اس طرح آتی ہے کہ عقل حیران ہوجاتی ہے، ساری مشکلیں دور ہوجاتی ہیں اور پھر اسے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے جو ایک مسلمان کا مقصد حیات ہے اور اس کے نزدیک سب سے بڑی نعمت ہے، اس میں یہ بھی سبق ہے کہ مسلمان کبھی بھی ناموافق حالات سے نہ گھبرائیں، دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے خوف نہ کھائیں، ہر حال میں خدا کی خدائی پر بھروسہ رکھیں، ایسے موقع پر ہی خاص طور پر ایمان ویقین کی آزمائش ہوتی ہے اور ایسے وقت ہی استقامت اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک مسلمان اگر غیر مسلم کمپنی میں کام کرتا ہے یا غیر مسلم ماحول میں رہتا ہے تو اسے چاہئے کہ ہر حال میں اپنے ایمان اور شعائر اسلام پر ڈٹا رہے، نماز کا وقت ہوجائے تو کسی سے مرعوب ہوئے بغیر نماز ادا کرے اور اگر ایسا نہیں ہوسکتا تو اس ماحول سے نکل کر کہیں اور رزق تلاش کرے، کفر کے نرغے میں بھی رہ کر مکمل اطمینان کے ساتھ اپنے ایمان کا اظہار کرے اور ایمانی تقاضوں پر عمل کرے، کسی بھی صورت میں توحید سے دست بردار نہ ہو اور نہ اس میں کسی طرح کے شک وشبہ کو راہ دی جائے، خدانخواستہ تعلیمی اداروں میں، تجارت یا ملازمت گاہوں میں چاروں طرف اسلام دشمن لوگ ہوں، کفر وشرک کا ماحول ہو تو وہاں بھی مکمل شعائر ایمانی کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ مؤثر بن کر دوسروں پر توحید کا اثر ڈالنا چاہئے، یہ ہرگز جائز نہیں کہ حالات سے متاثر ہوکر خود اپنے ایمان سے متعلق شک وشبہ میں پڑ جائیں یا اسلام کے کسی حکم پر عمل کرنے میں عار محسوس کریں۔ یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج ہمارے ایمان میں استقامت نہیں ہے، دنیوی طاقت سے خوف کھا کر بہت سے لوگ اپنے ایمان کا سودا کر بیٹھتے ہیں، یہ اللہ کو ہرگز پسند نہیں ہے کہ ایک مسلمان گھر میں رہے تو پکا نمازی ہو اور سفر میں جائے، کمپنی یا تجارت کے لئے نکلے تو اسے نماز پڑھنے میں عار محسوس ہونے لگے، مخالف ماحول میں ایمان سے دست بردار ہوجائے یا ایمان ویقین میں شک وشبہ کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ہرگز پسند نہیں کہ اپنے گھر میں رہتے ہوئے ایک شخص پکا نمازی ہو؛ لیکن جب سفر میں جائے یا ملازمت اور تجارت کے لئے جائے تو نماز پڑھنے میں عار محسوس کرنے لگے اور دل میں خیال پیدا ہو کہ یہاں کافرانہ ماحول میں نماز پڑھیں، ٹوپی پہنیں، قرآن شریف کی تلاوت کریں، ذکر کریں تو لوگ کیا کہیں گے، یہ مرعوبیت کا ذہن ہے، جو لوگ بتوں کو سجدہ کرتے ہیں، باطل ادیان کے پرستار ہیں یا بے حیائی کاموں میں مسلسل مصروف ہیں وہ کبھی نہیں سوچتے کہ میں نے ایسا کیا تو لوگ کیا کہیں گے ہم دین حق پر رہ کر ہزار بار خیال کرتے ہیں کہ دنیا کیا کہے گی یہ خیال نہیں آتا کہ اگر میں نے یہ فرض ادا نہیں کیا تو میرا رب کیا کہے گا۔

اس سلسلہ میں اہل غزہ کی قربانیاں اور ان کا ایمان وتوحید ہمارے لئے چراغ راہ ہے، اسرائیل نے سوچا تھا کہ ہم اسے چٹکیوں میں مسل ڈالیں گے اور دنیا کے نقشہ سے مٹادیں گے لیکن آٹھ مہینے سے نہتے یہ لوگ باطل طاقت سے ٹکرار ہے ہیں اور وہ بھی ایسی طاقت جس کو ٹکنالوجی میں دنیا میں امتیاز حاصل ہے اور اکثر ممالک کی جس کو حمایت حاصل ہے۔ غزہ میں ہزاروں افراد شہید ہو گئے، ہزاروں کی تعداد میں زخمی ہیں، جو زندہ ہیں فقر وفاقہ سے نڈھال ہیں نہ کھانے کا ان کے پاس کچھ ہے اور نہ پہننے کے، ان کے لئے نہ عید کی خوشی ہے اور نہ بقرعید کی مگر ایک مسلمان بچہ بھی ایسا نہیں جس نے اپنے ایمان کا سودا کیا ہو یا کسی بچے نے بھی اسرائیل پولیس سے اپنی جان کی بھیک مانگی ہو، وہ اپنے ملبوں پر بھی کھڑے ہوکر اپنے رب کو یاد کر رہے ہیں اور دل کی

بقیہ: ایمر جنسی میں اردو کی صورت حال......

ایمر جنسی کے اِسی جبر اور پابند سماج کو ہدف بنانے کے لیے جواہر لال یونیورسٹی نئی دہلی کے اُردو پروفیسر اور ادیب ڈاکٹر محمد حسن نے 'ضحاک' کے نام سے ایک طویل ڈرامہ لکھا جو کہنے کو ایک اساطیری داستان (میتھالاجی پر مبنی کہانی) ہے، لیکن اِس میں ایمر جنسی کے جانے پہچانے کرداروں کو پیش کیا گیا ہے، یہ ڈرامہ سہ ماہی 'عصری ادب' نئی دہلی میں شائع ہوا ہے، ۱۹۷۷ء کا یہ پہلا شمارہ اِس لیے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اِس میں ایمر جنسی کے خلاف افسانے، منی افسانے، غزل، نثری نظمیں اور ڈاکٹر محمد حسن کے قلم سے 'کیا کچھ گزر گیا' کے زیرِ عنوان ایک بے لاگ اڈیٹوریل موجود ہے۔ بھوپال کے مولانا انعام الرحمٰن خاں نے میسا میں گرفتاری کے دوران جو خط وکتابت کی، اُسے 'میسا کے شگوفے' کے نام سے زینت پبلشنگ ہاؤس جبل پور نے شائع کیا ہے، متین طارق باغپتی کے خطوں کا ایک مجموعہ 'خطوطِ زنداں' کے نام سے عفیف آفسیٹ پرنٹس دہلی سے شائع ہوا ہے، میسا میں اپنے قید کی روئیداد یں اور لوگوں کی زبانی بھی بیان ہوئی ہیں۔ اُردو کے رائٹر اور ڈائرکٹر گلزار کی مشہور فلم 'آندھی' کو نمائش کی اجازت اِس لیے نہیں ملی کہ اندرا گاندھی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر یہ فلم بنائی گئی تھی، انگریزی کے ممتاز صحافی بی. جی ورگیز کو 'ہندوستان ٹائمز' میں سکم کے ہندوستان میں غیر جمہوری طریقہ سے انضمام کے خلاف اڈیٹوریل تحریر کرنے پر جیل بھیج دیا گیا تھا، ہندی کے اور بھی کئی قلم کاروں اور صحافیوں کو اپنی تحریروں کے باعث سرکاری عتاب کا شکار بننا پڑا لیکن اردو کے صحافی مولانا محمد مسلم پر ایسا کوئی الزام نہ ہوتے ہوئے بھی اُنھیں ۷ ماہ جیل میں اِس لیے گزارنے پڑے کہ وہ جماعتِ اسلامی کے آرگن 'دعوت' کے اڈیٹر تھے، وہ اپنی بیٹی کی شادی میں شرکت بھی نہیں کر سکے، اُردو کے درجنوں نڈر صحافی، غلام سرور، اکبر رحمانی، حفیظ نعمانی وغیرہ کے قلم پر پابندی لگانے کے لیے انھیں دھمکایا گیا۔

یہ اور اِس طرح کی سیکڑوں مثالوں سے ایمر جنسی کے زمانے کا لٹریچر بھرا پڑا ہے، جس تک گہرائی کے ساتھ سنسر کی نظر اِس لیے نہیں پہونچی کہ سرکاری عملہ میں اُردو جاننے والے مناسب تعداد میں موجود نہیں تھے، چنانچہ بے شمار ایسے اشعار، نظمیں، افسانے، سیاسی کالم اور اڈیٹوریل سنسر کی پکڑ سے محفوظ رہے، ایمر جنسی کے ۲۱ ماہ اور اُس کے بعد لکھے گئے اردو ادب کا اگر گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو ۲۱ ماہ کے سرکاری آتنک کے خلاف جو کچھ اردو کے قلم کاروں نے لکھا، اُس کا ایک ضخیم مجموعہ سامنے آسکتا ہے، سچی بات یہ ہے کہ ایمر جنسی میں اردو زبان پر کیا بیتی اِس پہلو کو سامنے رکھ کر کام نہیں ہوا، جس پر اب توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

جس طرح انگریزی سامراج کے دورِ حکومت کے کچھ مثبت پہلوؤں کو پرانی پیڑھی یاد کرتی ہے، اُسی طرح ایمر جنسی میں ہنسی خوشی نہیں تو زور زبردستی برتنے پر بعض اچھے کام بھی ہوئے، رشوت خوری کم ہوگئی، ٹرینیں وقت پر دوڑنے لگیں، جیل کی ہوا کھانے کے ڈر سے مجرم جرم سے گھبرانے لگے، سرکاری آفسوں میں ملازم وقت پر آنے لگے، فرقہ وارانہ فساد بند ہوگئے، لوگوں کے کام وقت پر ہونے لگے، اسی طرح ایمر جنسی میں اردو زبان کے حق میں بعض اچھے اعلانات ہوئے، ریاستوں میں اردو اکادمیاں قائم ہوئیں، اندرا گاندھی کے ۲۰ نکاتی پروگرام میں اُردو شامل ہوئی، اردو اکادمیوں کی ایک کانفرنس لکھنؤ میں ہوئی، راشٹر پتی فخر الدین علی احمد نے اِس کا افتتاح کیا، فخر الدین علی احمد کمیٹی لکھنؤ میں تشکیل دی گئی جو کتابوں کی اشاعت کے لیے مالی امداد فراہم کرتی ہے۔ ممبئی، سری نگر اور پٹنہ میں بھی اردو کے قلم کاروں کی کانفرنسیں ہوئیں، جن میں خوش کن اعلانات اور وعدے کیے گئے، لیکن اسے اردو کی بدقسمتی کہیں یا اقلیتوں سے جمہوری حکمرانوں کا مذاق کہ اِن کا کوئی نتیجہ اردو زبان کے حالات بدلنے کی صورت میں سامنے نہیں آیا، بلکہ آزادی کے بعد سے اِس زبان کے ساتھ جو سلوک شروع ہوا، وہ جاری رہا۔ ایک طرف اعلانات ہوئے، دوسری طرف اُن پر عمل کرنے کی ضرورت کسی نے محسوس نہیں کی، ایسے ہی وعدے اور اعلانات پر خوشامد کا الزام بھی خوب دُہرایا گیا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آج کی نسل کسی ڈراؤنے خواب کی طرح ایمر جنسی کی ناانصافی کو بھلا نہ دے، اُس سے ہماری جمہوریت اور روایات کو جو زخم لگے ہیں اُنھیں تازہ رکھے اور اُن سے ضروری سبق بھی لے تاکہ ایمر جنسی جیسے حالات ہندوستان میں دوبارہ پیدا نہ ہوں، ہر جمہوریت پسند ہندوستانی یہ بھی نہ بھولے کہ آزادی اور جمہوری نظام ایک نعمت ہے جو مفت میں نہیں ملتے، اِس کے لیے ہمارے پُرکھوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ ہمیں بھی اِس کی حفاظت کے لیے کم از کم آنکھیں کھلی رکھنا اور ہر دم بیدار رہنا چاہیے۔

کر رہا ہوں بزم میں ماضی کا ماتم اس لیے ☆☆ تاکہ مستقبل کے شعلوں کو ہوا دینی پڑے

Scanned with CamScanner

مسلمانوں سے اتنی نفرت کیوں؟

غالب شمس قاسمی

ہندوستانی سیاسی منظر نامہ گزشتہ ایک دہائی سے نفرت، ڈر، آئینی اداروں کی جانب داری، اور ذرائع ابلاغ کی یکطرفہ حمایت کی وجہ سے پراگندہ ہو چکا تھا، صحت مند ترقی پذیر معاشرہ مرد بیمار بن گیا تھا؛ لیکن اب ملک کا سیاسی منظر نامہ کافی تبدیل ہو چکا ہے، نفرت، اور مخالفت، مسلمان اور مٹن کی سیاست نے دم توڑ دیا، حکمراں جماعت کا غرور خاک میں مل گیا، جب وہ چار سو پار کے بجائے ڈھائی سو پار بھی نہیں کر سکی، رام کو لانے کا دعویٰ کرنے والے رام کی نگری میں ہی مردود قرار پائے، حالیہ پارلیمانی انتخابات کے نتائج نے ان تمام لوگوں کو حوصلہ مند کر دیا، جو گزشتہ ایک دہائی کی جذباتی اور اشتعال انگیز سیاست سے ناامید ہو چلے تھے، تانا شاہ اب تانے بانے بن رہا ہے، نظریاتی طور پر شدید مخالف جماعتوں کے سہارے بی جے پی لگاتار تیسری بار اقتدار پر قابض ہو چکی ہے، قومی جمہوری اتحاد (این ڈی اے) کی حکومت بننے کے باوجود ملک میں جس طرح کی فضا بنی ہے، کہ اب امید ہے کہ مثبت تبدیلی کی خوشگوار ہوا موسم بہار کی نوید ثابت ہوگی، دراصل ہندوستانی ثقافت میں گنگا جمنی تہذیب کی اہمیت مسلم ہے، ملک میں قائم تہذیبی و ثقافتی توازن کو بگاڑنا ناممکن سا ہے، ذرائع ابلاغ کے ذریعے پھیلایا جا رہا پروپیگنڈہ ناکام ہو گیا، قومی ذرائع ابلاغ بنام گودی میڈیا نے اب عوامی مسائل پر گفتگو شروع کر دیا اور اب تو ملک میں ایک نیا سیاسی بیانیہ متعارف و مقبول ہو رہا ہے، جس میں نفرت کے بجائے محبت کی خوشبو ہے، ملک و قوم کی ترقی و فلاح کا جذبہ ہے، زمینی حقائق سے آگاہی ہے، پسماندہ طبقات کی مجموعی ترجمانی ہے۔

ان حالات میں خوش ہونا فطری امر ہے، لیکن اسی پر مطمئن ہو جانا مناسب نہیں، کئی دہائی کی محنت سے نفرتی سیاست نے زمین ہموار کی تھی، دلوں کو مسخر کیا تھا، اتنی آسانی سے وہ ختم ہونے والی نہیں ہے، اس نفرت میں دراصل مسلمانوں کی جانب سے لاحق خطرات کا خوف شامل ہے، اکثریتی طبقہ کے معدوم ہونے، اور مسلمانوں کے غلبہ کا جھوٹا نیریٹو ان کے ذہن و دماغ پر قائم ہے، یہی وجہ ہے کہ اس سلسلے میں اکثریتی طبقہ متضاد افکار و نظریات سے متاثر نظر آتا ہے، اس میں وہ احساس کمتری بھی شامل ہے، کہ ان کے آباء و اجداد نے ہزاروں سال اس ملک پر حکمرانی کی، لیکن ان کی کوئی قابل ذکر یادگار باقی نہیں، جب کہ ہندوستان کے طول و عرض میں تمام قابل ذکر پرانے شہروں میں مسلم عہد حکومت کی یادگاریں اپنے شاندار ماضی کی گواہ ہے، مسلم دور حکومت میں مسلمانوں کی عیاشی کے انہیں اتنے قصے سنائے گئے کہ ان کی فکر میں یہ بات شامل ہوگئی ہے کہ مسلم دور حکومت میں ہندو غربت اور افلاس میں جی رہا تھا، ظلم و زیادتی کا شکار تھا، مذہبی فرائض کی انجام دہی پر پابندی تھی، ان کی عبادت گاہیں غیر محفوظ تھیں، نتیجہ کے طور پر موجودہ مسلم آبادی اور ان کی ذرا سی بھی ترقی سے وہ گھبرا جاتے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مغل سلطنت آج کی جمہوریت سے کئی گنا زیادہ لبرل، آزاد خیال اور فراخ دل تھی، اکثریتی طبقہ بھول جاتا ہے کہ موجودہ ہندوستانی مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی فرائض انجام دینے سے بھی گھبرا رہا ہے، قومی ذرائع ابلاغ نے انہیں کبھی بتایا ہی نہیں کہ اب بھی مسلمانوں میں شرح خواندگی نچلی سطح پر ہے، اب بھی زیادہ تر مسلم آبادی خط افلاس سے نیچے کی زندگی بسر کر رہی ہے، سرکاری اداروں اور آئینی عہدوں پر مسلم تقرریاں برائے نام ہے، بلکہ معدوم و عنقا ہے، حج کمیٹی اور دیگر اقلیتی ادارے مفلوج ہو چکے ہیں، بلکہ زیادہ تر تعطل کا شکار ہیں، جہاں مسلمانوں کے بجائے اقتدار کی چاپلوسی کرنے والے بحال کیے جاتے ہیں، اقلیتی تعلیم گاہیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی پر فاشسٹ طاقتوں کی غلط نگاہیں ہیں، رام پور رضا لائبریری میں نا اہل ہندو کی تقرری ہوئی، جہاں فارسی، اردو اور عربی مخطوطوں کا محافظ ان زبانوں سے نابلد اور بے ذوق شخص ہے، سیاست میں مسلمانوں کی حصہ داری نہ کے برابر ہے، پچیس کروڑ مسلم ابادی میں چوبیس نو منتخب اراکین پارلیمان ہیں، جو کہ گزشتہ پارلیمانی انتخابات سے بھی کم ہے، مسلمانوں کی نمائندگی گزشتہ سترہویں لوک سبھا انتخابات کے مقابلے میں گھٹ جانا لمحۂ فکریہ ہے، گزشتہ دنوں برسر اقتدار جماعت کی وزارت کا قلمدان تقسیم ہوا، جس میں ایک بھی مسلمان وزارت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکا، حکمران جماعت میں بھی مسلم نمائندگی صفر ہے، یہ دوہرا رویہ مسلمانوں کے ساتھ برتا جا رہا ہے، اب آپ ہی بتائیں کہ کس ترک سے ان کمزور و نہتے مسلمانوں کو طاقتور اور خطرناک دکھایا جا رہا ہے۔ گزشتہ ایک دہائی میں سب سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا گیا، ان کی شناخت کے تحفظ کا مسئلہ درپیش ہوا، ان میں عدم تحفظ کا احساس پروان چڑھا۔ گویا کہ مسلمانوں کی معاشی، سیاسی، تعلیمی زندگی تباہی کے دہانے پر ہے۔

انتخابی مہم کے دوران بی جے پی کے عام کارکنان کو تو چھوڑیے، وزارتِ عظمیٰ کے اہم عہدے پر فائز شخص نے بھی مسلمانوں کو برا بھلا کہا، کھلے دل سے ان کے خلاف زہر افشانی کی اور ان کی آئی ٹی سیل، اور آر ایس ایس کارکنان تو دن رات اسی کام میں مصروف ہیں، ہندو طبقہ کو اپنے ماضی سے متنفر، اپنے آباء و اجداد کی نا اہلی کا سبق از بر کرایا، یہ بھی دراصل مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ فلموں اور ہندی و انگلش لٹریچر کے ذریعے بھی مسلمانوں کی شبیہ کو کافی نقصان پہنچا ہے، غلط فہمی کی چادر اور دبیز ہوگئی۔

کہیں پڑھا تھا کہ ہندو قوم پیدائشی طور پر تنگ دل اور تنگ نظر ہوتے ہیں، ایسے میں ان سے زیادہ توقعات رکھنا بھی احمقانہ فعل ہے۔ البتہ یہ قابل تعریف پہلو ہے کہ نفرت، مخالفت اور تفریق کی اتنی زبردست محنت کے باوجود ملک کے عام باشندوں نے جس طرح اسے مسترد کر دیا، اپنے آپ میں یہ قابل قدر اور خوش آئند مستقبل کی غماز ہے۔

نا عاقبت اندیش مسلم نوجوانوں کی ایک جماعت کیمرے کے سامنے جذباتی انداز میں اکثریتی طبقہ کے خلاف نا قابل برداشت باتیں کہہ جاتے ہیں، یہ بھی وجہ بنتی ہے نفرت کی، مسلمان اپنے ہندو پڑوسیوں کو اپنی خوشیوں میں شریک نہیں کرتے، جو کہ ماضی میں اختلاف کی خلیج پاٹنے کا اہم ذریعہ تھا، مسلمان اپنے آباء و اجداد کی قربانیوں اور مسلم عہد حکومت کی تاریخی خصوصیات سے بالکل نابلد ہیں، اگر واقفیت ہوتی تو خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے ہندو بھائیوں کو حقائق سے واقف کراتے، اور بتاتے کہ مسلمانوں کی تعلیم، اور ان کی پوری تاریخ محبت سے عبارت ہے، اور ان کا اخلاقی کمال ہی یہی ہے کہ وہ کسی سے نفرت نہیں کرتا، وہ ناپسند تو کر سکتا ہے، نفرت و تفریق نہیں کر سکتا۔

ہفتۂ رفتہ

محمد اسعد اللہ قاسمی

دہلی کے وزیر اعلیٰ کیجریوال کی ضمانت پر روک

جمعہ کے روز دہلی ہائی کورٹ نے وزیر اعلی اروند کیجریوال کی ضمانت پر رہائی کو یہ کہہ کر روک دیا کہ جب تک مرکز میں مودی حکومت کی ایجنسی انفورسمنٹ ڈائریکٹوریٹ (ای ڈی) کی درخواست پر سماعت نہیں ہو جاتی اس وقت تک وہ جیل میں ہی رہیں گے، دہلی کی ایک ذیلی عدالت نے شراب پالیسی سے متعلق بدعنوانی کے معاملے میں انہیں ضمانت پر رہا کرنے حکم دیا تھا، جسٹس نیائے بندو کی بنچ نے ای ڈی کی درخواست کو مسترد کر دیا تھا، تاہم مرکزی ایجنسی نے فوری طور پر اس فیصلے کو ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیا اور عدالت نے اس پر اپنا حکم بھی صادر کر دیا، ای ڈی کی نمائندگی کرتے ہوئے مودی حکومت کے وکیل ایڈیشنل سالیسٹر جنرل ایس وی راجو نے دلیل دی کہ ایجنسی کو اپنا کیس پیش کرنے کا مناسب موقع نہیں دیا گیا، انہوں نے کہا، "ہمیں ضمانت کی مخالفت کرنے کا مناسب موقع نہیں ملا ہے، ہمیں دلائل اور جواب دینے کا اختیار بھی نہیں دیا گیا ہے۔"

بنگلہ دیشی وزیر اعظم پندرہ دنوں کے اندر دوسری مرتبہ بھارت میں

بنگلہ دیش کی وزیر اعظم شیخ حسینہ کا یہ دورہ اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ حالیہ انتخابات میں وزیر اعظم نریندر مودی کی قیادت میں مسلسل تیسری مرتبہ حکومت سازی کے بعد کوئی غیر ملکی رہنما پہلی مرتبہ سرکاری دورے پر نئی دہلی پہنچ رہا ہے، مودی کی دعوت پر نئی دہلی آمد کا ان کا مقصد بھارت اور بنگلہ دیش کے درمیان پہلے سے ہی مضبوط تعلقات کو مزید مستحکم کرنا اور مختلف محاذوں پر باہمی تعاون اور اشتراک کو وسعت دینا ہے، شیخ حسینہ پڑوسی ملکوں کے ان چند رہنماؤں میں شامل تھیں جو نو جون کو وزیر اعظم مودی کی حلف برداری تقریب میں شریک ہوئے تھے، شیخ حسینہ اور نریندر مودی کے درمیان ہونے والی بات چیت میں دوطرفہ تعلقات کو نئی بلندیوں تک لے جانے پر توجہ مرکوز کرنے کی امید ہے، وزارت خارجہ کی طرف سے جاری ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ بنگلہ دیشی اور بھارتی وزیر اعظم متعدد امور کے حوالے سے باہمی صلاح و مشورے کریں گے۔ وہ صدر دروپدی مرمو، نائب صدر جگدیپ دھنکڑ اور وزیر خارجہ ایس جے شنکر کے ساتھ بھی بات چیت کریں گی۔

ریزرویشن کا دائرہ بڑھانے کا فیصلہ ہائی کورٹ سے رد

پٹنہ ہائی کورٹ نے بہار میں دلتوں، قبائلیوں، پسماندہ اور انتہائی پسماندہ لوگوں کیلئے ریزرویشن کا دائرہ وسیع کرنے سے متعلق قانون کو منسوخ کر دیا ہے، ریاستی حکومت نے ریزرویشن کا دائرہ 50% سے بڑھا کر 65% کر دیا تھا جس سے معاشی طور پر کمزور اعلی ذات کے لوگوں کے 10% ریزرویشن کو جوڑ کر ریزرویشن کا دائرہ 75% ہو گیا تھا، ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے ونود چندرن اور جسٹس ہریش کمار کی ڈویژن بینچ نے گورد کمار اور دیگر کی طرف سے دائر درخواست پر جمعرات کو اپنا فیصلہ سناتے ہوئے تعلیمی ادارے اور سرکاری نوکریوں میں ایس سی۔ ایس ٹی، ای بی سی اور دیگر پسماندہ طبقات کو تعلیمی میدان میں 65% فیصد ریزرویشن دینے کے نتیش کمار حکومت کے فیصلے کو منسوخ کر دیا، اس معاملے پر طویل سماعت کے بعد 11 مارچ کو چیف جسٹس کے ونو د چندرن اور جسٹس ہریش کمار کی ڈویژن نے فیصلہ محفوظ رکھا تھا، واضح رہے کہ ذات پات پر مبنی سروے رپورٹ آنے کے بعد نتیش حکومت نے ریزرویشن کا دائرہ بڑھانے کا فیصلہ کیا، اس کے بعد بہار اسمبلی کے سرمائی اجلاس کے دوران 9 نومبر 2023 کو بہار ریزرویشن ترمیمی بل 2023 پیش کیا گیا اور اس بل کو دونوں ایوانوں میں متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا، اس کے تحت دلتوں، قبائلیوں، اوبی سی اور ای بی سی کیلئے ریزرویشن کا دائرہ 50% فیصد سے بڑھا کر 65 فیصد کر دیا گیا، معاشی طور پر پسماندہ لوگوں (اعلی ذات) کیلئے 10 فیصد ریزرویشن سمیت بہار میں نوکریوں اور تعلیمی اداروں میں داخلوں میں 10 فیصد ریزرویشن سمیت بہار میں ریزرویشن بڑھ کر 75 فیصد پر پہنچ گیا، ریاستی حکومت کے اس فیصلے کے بعد کئی تنظیموں نے حکومت کے اس ریزرویشن قانون کو پٹنہ ہائی کورٹ میں چیلنج کیا۔ جس کے بعد پٹنہ ہائی کورٹ نے اسے آئین کے آرٹیکل 15، 14 اور 16 کیخلاف بتاتے ہوئے منسوخ کر دیا ہے۔ ریاستی حکومت نے ایس سی ایس ٹی، ای وی سی اور دیگر پسماندہ طبقوں کو تعلیمی میدان میں 65% ریزرویشن دینے کے اپنے فیصلے کو تاریخی فیصلہ قرار دیا تھا اور کہا تھا کہ اس فیصلے سے سماج کے کمزور طبقہ کے لوگوں کو آگے بڑھانے میں مدد ملے گی لیکن ریاستی حکومت کا یہ فیصلہ عدالت میں نہیں ٹک سکا اور ہائی کورٹ نے اس فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا۔

Volume:64/74,Issue:23 R.N.I.N. Delhi Regd. No.BIHURD/4136/61Printed & Published by Rizwan Ahmad Nadwi, on behalf of Imarat Shariah Phulwari Sharif, Patna, Printed at Azimabad Printers, R.C.F./105, Ground Floor, B.H. Colony, Bhootnath Road, Kankarbagh, Patna-800026 and Published from Naqueeb Office Imarat Shariah, Phulwari Sharif, Patna-801505, Editior: (Mufti) Mohammad Sanaul Hoda (Quasmi)

Scanned with CamScanner

KMCY

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT SHARIAH
BIHAR ODISHA & JHARKHAND

NAQUEEB WEEKLY

PHULWARI SHARIF,PATNA 801505

SSPOS PATNA Regd.No.PT-14 13-5-24-26

R.N.I.N.Delhi,Regd No-BIHURD/4136/1961

بے حسی شرط ہے جینے کے لئے
اور ہم کو احساس کی بیماری ہے

(جون ایلیا)

انتخاب کے نتائج اور حکومت سازی کے باوجود عوام کے بہت سارے سوال اسی طرح قائم ہیں

صفدر امام قادری

پارلیمانی انتخاب ۲۰۲۴ء کے نتائج سے جہاں ایک طرف جمہوری اداروں کی طاقت پر بڑے حلقے میں اعتماد کا ماحول قائم ہوا ہے مگر اسی کے ساتھ جمہوری نظام کی حدود کا بھی کہیں نہ کہیں سنجیدگی کے ساتھ احساس ہو رہا ہے۔ آخر یہ کون سا انتخابی نتیجہ ہے کہ جس نے حکومت سازی کر لی، وہ بھی اِتراے ہوئے نظر نہیں آ رہا ہے اور اپوزیشن کے افراد بھی پشیمان اور ہارے ہوئے نظر نہیں آتے۔ حکومت بن جانے کے باوجود عوامی سطح پر نہ جشن کا ماحول ہے اور نہ ہی اقتدار مخالفین کے بیچ ماتم کا سماں ہے۔ وزیرِ اعظم کی بلند بانگ تقریریں بھی سنائی نہیں دے رہی ہیں اور ان کے وہ حلیف جن کو حکومت کے بنانے اور بگاڑنے میں مہارت حاصل ہے، وہ بھی کم وبیش خاموش نظر آ رہے ہیں۔ اس کے برعکس کانگریس کے لیڈروں کی طرف سے مرکزی حکومت پر روزانہ اور لگاتار وار جاری ہے۔

ان کالموں میں یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کو اس کے بنیادی نعرے کے مطابق چار سو سے زیادہ پارلیمانی سیٹیں آخر کہاں سے مل رہی ہیں؟ ہر صوبے کے حالات انتخاب کے پہلے بھی آنکھوں کے سامنے تھے اور ماہرینِ اعداد وشمار کی ٹیم بھارتیہ جنتا پارٹی کی بتائی ہوئی سیٹوں کی پہچان زمینی سطح پر نہیں کرا پا رہی تھی۔ آخری مرحلے کے بعد دو دنوں تک اپنا عوامی اعتماد کھو چکے چینل چار سو سے ساڑھے تین سو سیٹوں کی کہانیاں کہتے رہے مگر نتیجہ آنے تک ٹیلی ویژن اور سیاست کے بڑے بڑے شیر گیدڑ بنتے ہوئے نظر آئے۔ جن صوبوں کے قائدین اور خاص طور سے جہاں جہاں وزیرِ اعظم اور امت شاہ نے جان لگا دی تھی، وہاں اڑیسہ کو چھوڑ کر دل پسند نتیجہ کہیں سے سامنے نہیں آیا۔ اتر پردیش، راجستھان اور مغربی بنگال کے بارے میں تو کبھی اس انداز کے نتیجے کی توقع نہ اقتدار کے لوگوں نے کی تھی اور نہ ہی حزبِ اختلاف کے افراد ٹھیک طریقے سے اس کا اندازہ کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مخلوط حکومت بنانے کی بھارتیہ جنتا پارٹی کے لیے ایسی مجبوری پیدا ہو گئی جسے سرکار کے آخری دن تک بھلانا مشکل ہوگا۔ اَٹل بہاری واجپئی کو جے للیتا نے جس طرح بے خوابی کے دوروں کا شکار بنا دیا تھا، وہ ہماری تاریخ کا حصہ ہے۔ لوگوں کو اس بات کی توقع ہے کہ تیلگو دیشم پارٹی اور جنتا دل یونائیٹیڈ جیسی حلیف جماعتوں کی جانب سے بھی مرکزی حکومت کو ویسے خطرات کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔ ان دونوں پارٹیوں کے قائدین کا ٹریک ریکارڈ اسی انداز کا ہے اور وہ اپنے فائدے کے لیے کسی کی بھی قربانی جائز سمجھتے ہیں۔

اس انتخابی نتیجے کے دور رَس نتائج سے انکار مشکل ہے۔ نریندر مودی مسلسل دس برسوں تک حکومت کرتے ہوئے الیکشن کے اجتماعات میں جس شترِ بے مہار کی طرح گفتگو کر رہے تھے، اس کا انجام ڈکٹیٹر شپ ہی ہو سکتا تھا مگر الیکشن کے نتائج نے انھیں خبردار کیا کہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کو اس انداز سے نہیں چلایا جا سکتا۔ نریندر مودی کو انتخاب کے نتائج نے اس اس بات سے بھی آگاہ کیا کہ محض سیاسی جملے گڑھ کر اور لغو بیانی کر کے عوام کو پورے طور پر گمراہ نہیں کیا جا سکتا۔ انھیں اپنی حد معلوم ہو گئی کہ اس کے بعد زوال کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ان کے لیے یہی خوشی کا مقام ہے کہ جوڑ توڑ کر کے اپنے حلیفوں کی مدد سے تیسری بار حکومت بنانے میں وہ کامیاب ہوئے۔ مگر انھیں بھی معلوم ہے کہ اب ان کی عمر کی ہی طرح اس حکومت میں بھارتیہ جنتا پارٹی کا کس بَل وہ نہیں ہے جو پہلے تھا اور جس کی بنیاد پر ملک کو زیر وزبر کرنے میں وہ قادر تھے۔

اس انتخاب کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ گذشتہ دس برسوں سے کمزور اور نڈھال ہو چکی کانگریس کی جان میں جان آئی ہے۔ اسے اس انتخاب میں یہ سمجھ میں آیا کہ اس کی صلح جُو سیاست کے طرف دار ملک کے ہر گوشے میں موجود ہیں اور مرکزی حکومت سے غیر مطمئن افراد کی ایک بڑی تعداد، کانگریس کے ساتھ آئی ہے۔ کانگریس کو یہ بھی فائدہ حاصل ہوا کہ اس کے اندر مضبوط بنے ہوئے پرانے کھائے کمائے لیڈروں کو جلدی سے پھر وزارت میں جانے کا موقع نہیں ملا۔ ایسے لوگ جب تک کمزور نہ ہوں گے، راہل گاندھی کی قیادت قومی سطح پر مستحکم نہیں ہو سکے گی۔ اس لیے کانگریس کو مزید پانچ برس انتظار کرنے کا یہ فائدہ ملے گا کہ ایک نئی قیادت پیدا ہوگی اور راہل گاندھی سپریم لیڈر کی حیثیت سے سب کے لیے قابلِ قبول ہو جائیں گے۔ کھڑگے کو عہدۂ صدارت دے کر کانگریس نے جو تجربہ کیا، اس میں کانگریس صدفی صد کامیاب رہی جس کا نتیجہ ووٹ کے تناسب اور سیٹوں کی تعداد میں دیکھنا چاہیے۔

اتر پردیش آبادی اور پارلیمانی حلقوں کے اعتبار سے ہندستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ ۲۰۱۴ء میں نریندر مودی وہاں سے ۷۳ سیٹیں لے کر مرکز میں اپنی اقتدار کا جلوہ قائم کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ڈھائی برس کے بعد یوگی آدتیہ ناتھ بڑی طاقت کے ساتھ اتر پردیش کے وزیرِ اعلا بنائے گئے۔ گذشتہ سات آٹھ برسوں میں اتر پردیش کی حکومت نے جس طرح سے کام کاج کیا ہے اور خاص طور پر وزیرِ اعلا نے جس انداز میں اپنی تقریریں کی ہیں، وہ ہندستانی سیاست کے ایک مشکل دَور کی کہانی ہے۔ اتر پردیش میں ہر چند کہ اکھلیش یادو نے پورے پانچ برس وزیرِ اعلا کی حیثیت سے کام کیا مگر وہ اپنے والد اور چچا اور ان کے دوستوں کی متوازی حکومت کے سامنے پسپا ہوتے رہے بل کہ اسی چکرویو میں ان کی اپنی سرکار بھی چلی گئی۔ سات برس اقتدار سے باہر رہتے ہوئے اکھلیش کو خود سے پارٹی کو چلانے کا ہنر سیکھنے کا موقع ملا جس کا نتیجہ موجودہ انتخاب میں ان کی اور کانگریس کی ملی جلی حیرت انگیز کامیابی بھی ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ سماج وادی پارٹی اور کانگریس نے مل کر اتر پردیش میں ایک سے ایک بڑے سورما، صرف اسمرتی ایرانی کو بھی نہیں ہرایا بل کہ وزیرِ اعظم کی جیت کے فرق کو اتنا گھٹا دیا کہ انھیں احساس ہو جانا چاہیے کہ دس برس کی اقتدار کے باوجود انھیں اپنے حلقۂ انتخاب میں چاہنے والے بہت تیزی سے گھٹنے لگے ہیں۔ لوگوں کو یاد ہے کہ اس ملک میں ۱۹۷۷ء میں اندرا گاندھی وزیرِ اعظم رہتے ہوئے لوک سبھا کا انتخاب ہار گئی تھیں۔ انتخاب کے نتائج سے ایک روز پہلے بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر جے پی نڈّا صاحب اپنے ایک ٹی وی نشریے میں اعلان کرتے ہوئے پائے گئے تھے کہ وزیرِ اعظم آٹھ لاکھ سے زیادہ ووٹوں سے جیتیں گے۔ اس کے لیے وزیرِ اعظم کو اپنے حلقۂ انتخاب میں بار بار جلسے کرنے پڑے۔ روڈ شو کی بھی باری آئی اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے سارے بڑے لیڈروں کی وہاں ڈیوٹی لگائی گئی تھی تب جا کر وہاں وزیرِ اعظم فتح یاب ہو سکے۔

کانگریس یا انڈیا محاذ نے یہ اچھا کیا کہ مرحلۂ اوّل میں ہی اس بات کا اعلان کر دیا کہ وہ اپوزیشن میں بیٹھے گی اور سرکار بنانے میں اسے دل چسپی نہیں۔ حالاں کہ اسی کے ساتھ اس نے بھارتیہ جنتا پارٹی پر یہ حملہ بھی کیا کہ ووٹ کے نتائج یہ واضح کر رہے ہیں کہ بھارتیہ جنتا پارٹی نے عوامی اعتماد کھو دیا ہے اور اسے حکومت بنانے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ کانگریس نے حکومت بنانے کی کوشش نہیں کر کے ارکانِ پارلیمنٹ اور چھوٹی بڑی پارٹیوں کی خرید وفروخت کے امکانات پر روک لگا دی۔ یہ ہر اعتبار سے اچھا ہوا۔ گذشتہ دس برسوں میں حکومت سے باہر رہتے ہوئے کانگریس نے جس طرح تپسّیا اور ریاضت کی ہے، اس کا ابتدائی پھل تو انھیں اس انتخاب میں مل گیا مگر پانچ برس اسی طرح خود کو سادھے رکھیں تو ۲۰۲۹ء کے انتخاب میں ہندستان کے عوام انھیں تھالی میں سجا کر حکومت پیش کر دیں گے۔ شرط یہ ہے کہ کانگریس نے عام لوگوں کے بیچ جانے کا جو پھر سے سلیقہ اپنایا ہے، اسے جاری رکھیں۔

کانگریس کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ قومی سطح پر اس کی تنظیم برائے نام رہ گئی ہے۔ اس کے صوبائی صدر ناکارہ ہیں اور اعتماد کے لائق نہیں ہیں، ایسے میں ضلعی اکائیوں اور گاؤں تک کی تنظیم کے بارے میں کیا سوچا جا سکتا ہے۔ راہل گاندھی کا جو انداز ہے، اس میں ان کی قیادت تو ابھرتی ہے مگر کانگریس کا کوئی تنظیمی ڈھانچہ کھڑا نہیں ہو پاتا جس کا یہ نتیجہ طے ہے کہ پھر اگلی بار اسی طرح نئے سروں سے ان علاقوں میں مشقت کرنی ہوگی۔ کانگریس کے موجودہ صدر پرانے رہ نما ہیں، اپوزیشن میں رہتے ہوئے ان کے لیے یہ پہلا نشانہ ہونا چاہیے کہ کانگریس کا کل ہند تنظیمی ڈھانچہ کھڑا کیا جائے۔ جہاں جہاں صوبائی انتخابات قریب ہیں وہاں پہلے توجہ کریں۔ اس انتخاب سے جو عوامی توقعات ابھری ہیں، اس کا تقاضہ یہی ہے کہ کانگریس کو میدان سے دور نہیں ہٹنا چاہیے۔ کانگریس کا یہ بھی فرض ہے کہ انڈیا محاذ کے دائرے کو نہ صرف وسیع کریں بل کہ اپنی حلیف جماعتوں کی ذہن سازی بھی کرتے رہیں۔ انھیں الگ تھلگ چھوڑ دینے اور مکمّل طور پر آزاد رکھنے کا وہ بھی نتیجہ ہوتا ہے جو بہار میں دیکھنے کو ملا۔ لالو یادو اور تیجسوی یادو کی نجی اَکڑ کے مقابلے اکھلیش یادو کی طرح ایمان دارانہ محاذ کے طور کو اپنانے سے بہار میں پانچ سات سیٹیں این۔ ڈی۔ اے۔ کی اور کم ہو سکتی تھیں لیکن تیجسوی یادو کی ناتجربہ کاری نے انڈیا محاذ کو شدید نقصان پہنچایا۔ آیندہ انتخاب تک ایسی ہر جماعت کو کانگریس کی قیادت سے ایک واضح ہدایت رہنی چاہیے۔ تب ہی یہ ممکن ہے کہ یہ محاذ ایک بڑی سیاسی طاقت بن کر ابھرے گا اور ملک میں حقیقی طور پر اچھے دن آئیں گے۔

◯ ☆ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہو گئی ہے، فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں، مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر یا دیئے گئے کیو آر کوڈ اسکین کر کے آپ سالانہ یا ششماہی زرتعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر دیئے گئے موبائل نمبر پر خبر کر دیں، رابطہ اور واٹس ایپ نمبر 9576507798 (محمد اسعد اللہ قاسمی منیجر نقیب)

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168,Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233

نقیب کے شائقین نقیب کے آفیشیل ویب سائٹ www.imaratshariah.com پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

THE NAQUEEB

UPI ID : 6201750233naqueeb@sbi

BHIM UPI

WEEK ENDING-03/06/2024, Fax : 0612-2555280, Phone:2555351,2555014,2555668, E-mail: naqueeb.imarat@gmail.com

نقیب | قیمت فی شمارہ -/8 روپے | ششماہی -/250 روپے | سالانہ -/400 روپے

Print & Design by : Azimabad Printers, Patna-06 # 8434419421 9304022690

KMCY

Scanned with CamScanner